Regd.# MC-1366
•جلد 13/•شمارہ 7/•فروری/2024

دینی، اخلاقی اور معاشرتی اقدار کا علمبردار

ماہنامہ فہمِ دین

نجات صرف **دین محمدی** میں ہے

بیداری کی لہر

کامیابی کی بنیادیں

باوقار شرارت

الرجی

BAITUSSALAM PUBLICATIONS
91400056741

Baitussalam.org Baitussalam_org Baitussalam_org +9221-111-298-111

کمبل کا عطیہ، سردی سے بچاؤ کا ذریعہ

BAITUSSALAM

فی کمبل

Rs.1,300/=

عالمی ادارہ

بیت السلام

ویلفیئر ٹرسٹ

(Sadaqah)

Meezan Bank Baitussalam Welfare Trust 0127-0102749031 PK58MEZN0001270102749031	BankIslami Baitussalam Welfare Trust (Sadaqah) 1024-1030906-0001 PK38BKIP0102410309060001

(Zakat)

Meezan Bank Baitussalam Welfare Trust 0127-0101099706 PK06MEZN0001270101099706	BankIslami Baitussalam Welfare Trust (Zakat) 1024-1030892-0001 PK45BKIP0102410308920001

donations@baitussalam.org

رقم ٹرانسفر کرانے والے حضرات بیت السلام کو بذریعہ ایمیل یا واٹس ایپ اطلاع ضرور کریں۔ سات دن کے اندر اطلاع نہیں کی تو ادارہ اس کو شرعی ضابطوں کے مطابق کسی بھی فلاحی کام میں استعمال کر سکتا ہے۔

ماہ نامہ

فہمِ دین

کراچی

فروری 2024

فہم وفکر

مدیر کے قلم سے		04

اصلاحی سلسلہ

فہم قرآن	شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم	05
فہم حدیث	مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ	06
آئینہ زندگی	حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ	08

مضامین

مسئلہ فلسطین	فاطمہ طارق	10
وادی تیہ	امۃ اللہ	11
بیداری کی لہر	شمائلہ شکیل	11
الرجی	حمیرا علیم	12
پرہیز اور پرہیز گاری	حکیم شمیم احمد	13
مسائل پوچھیں	مفتی محمد توحید	16
باوقار شرارت	دانیال حسن	18

خواتینِ اسلام

رنگ امیدوں کے	انیسہ عائشہ	21
شہد کی مکھی	عذرا خالد	22
شاہین	بنت آصف	23
تربیت اولاد	ام عبد اللہ	25
بہترین عورتیں	ندا اختر	26
عفو و درگزر	خنساء جاوید	26
میں اور میرے پیارے	بشریٰ حسین	27
حسین یادیں	سارہ فاروق	28
تاریخ کے آئینے سے	عمارہ فہیم	30

باغیچہ اطفال

عثمان کی تلاش	اُمِّ مصطفیٰ	32
جنت کا بادشاہ	ڈاکٹر الماس روحی	33
ٹائم مشین	عرفان حیدر	36
آسمانی بجلی کی کہانی	سمیرا انور	36
انوکھی قربانی	بنت احمد	37
معجزاتی تلوار والے	بنت تاجور	38
بادشاہ کا محل	تماضر ساجد	39

بزمِ ادب

میرے دل میں عشقِ نبی بسا	احمد ظہور	42
ہمارے صحابہ	ارسلان اللہ خان	43
گلدستہ	شیخ ابو بکر، عبد الرحمن چترالی	44

اخبار السلام

اخبار السلام	ادارہ	46

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا عبد الستار حفظہ اللہ

مدیر	محمد خرم شہزاد
نائب مدیر	قاری عبد الرحمٰن
نظرثانی	طارق محمود
تزئین وآرائش	فیضان الحق شمسی

آراء وتجاویز کے لیے

0304-0125750

ڈاک سے متعلق امور کے لیے

0323-3229313 | 021-35393912

اشتہارات کے لیے

0314-2981344

marketing@fahmedeen.org

خط وکتابت اور بذریعہ منی آرڈر رسالے کے اجرا کے لیے

C-26 گراؤنڈ فلور، سن سیٹ کمرشل اسٹریٹ نمبر 2، خیابانِ جامی، بالمقابل بیت السلام مسجد، ڈیفنس فیز 4 کراچی

ناشر: فیصل زبیر | مطبع: واسا پرنٹر | مقامِ اشاعت: دفتر فہم دین

کامیابی کی بنیادیں

مدیر کے قلم سے

اہلِ غزہ کی کامیابی میں مرکزی کردار اُسی تیاری نے ادا کیا، جو چودہ سو سال پہلے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مکی دور میں کروائی گئی تھی۔

مکہ کی 13 سالہ زندگی میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشکلات کی ایک ایسی بھٹی سے گزارا گیا، جس کے بعد سارے صحابہ کندن سونا بن گئے، آسمانِ ہدایت کے چمکتے ستارے بن گئے، نفس کی قید سے آزاد ہوگئے، نفسانی خواہشات کی غلامی سے نکل کر ایک خدا کی بندگی کرنے لگ گئے، ہر حال میں خدا پر توکل کرنے والے بن گئے، زندگی موت کے بارے میں قرآنی فارمولا اَیْنَ مَاتَكُوْنُوْا یُدْرِکْكُّمُ الْمَوْتُ (کہ جہاں کہیں بھی تم ہو، موت تو آکر رہے گی) اچھی طرح سمجھ گئے۔ خوشی اور غمی کے بارے میں آسمانی ہدایت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (کہ ہم تمہیں بھوک، خوف اور طرح طرح کے نقصانات سے آزمائیں گے) اِن کے رگ وپے میں بس گئی۔ جس جنت ودوزخ کو ہم نظریاتی طور پر مانتے ہیں، اس کے بارے میں وہ عملی طور پر تگ ودو کرنے لگ گئے تھے۔

ایمان کی سربلندی زندگی کا مقصد بن گئی تھی۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا کے حکم سے مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں نفس کے سرکش گھوڑے کو ایسی مضبوط لگام ڈال دی کہ پھر یہ اپنی مرضی کرنا بھول گیا، اَطِیْعُوْا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا خوگر بن گیا، اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ نفرت ہو یا محبت صرف اللہ کے لیے کرنے لگ گیا، اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ نماز ہو یا کوئی اور عبادت خالص اللہ کے لیے ہو گئی، مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ جینا ہو یا مرنا سب خدا کے لیے ہو گیا۔ اِنْ کَانَ اٰبَاؤُکُمْ وَ اَبْنَاؤُکُمْ وَ اَزْوَاجُکُمْ وَ عَشِیْرَتُکُمْ ساری رشتے داریوں سے بڑھ کر، اَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا، اپنی تجارت اور کھیتیوں سے بڑھ کر، وَمَسَاکِنُ تَرْضَوْنَهَا اور کوٹھی بنگلوں سے بڑھ کر اللہ تعالی کی ذات اور اس کے راستے میں جہاد کرنا محبوب بن گیا۔

اہلِ غزہ کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو وہ بھی صحابہ کرامؓ کے انھی حالات سے ملتی جلتی ہے۔ 7اکتوبر اس کا نقطہ آغاز نہیں، بلکہ نقطہ عروج ہے۔ نقطہ آغاز تو 1987 میں شیخ احمد یاسین کی قیادت میں ہر طرح کے مشکل حالات سے گزرنے اور اُن کا سامنا کرنے کی عملی تیاری ہے، پھر آپ نے دیکھا کہ فلسطین کے میدان میں ہزاروں سال پہلے کفر کے "لشکرِ جالوت" کے مقابلے میں اہلِ ایمان کے "لشکرِ طالوت" کے 313 مجاہدین (جن میں حضرت داؤدؑ بھی ایک سپاہی بن کر موجود تھے) نے جو دعا مانگی تھی، جسے رب تعالی نے دوسرے پارے کے آخر میں ذکر فرمایا: رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ (کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر (سے بھرا ہوا بڑا برتن) انڈیل دیجیے اور ہمارے قدموں کو یہاں جما دیجیے اور دشمن کے مقابلے میں ہماری مدد فرمائیے) آج ہزاروں سال بعد 2023 میں حماس کے مجاہدین اس دعا کا عملی نمونہ بن گئے۔

دُنیا اور ملکوں کے نقشے میں 41 کلومیٹر کی لمبائی کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟ مگر غزہ صرف 41 کلومیٹر کی لمبائی ہونے کے باوجود صبر واستقامت کا ایسا پہاڑ بن گیا کہ دُنیائے کفر کے 200 طیارے اسلحے سے بھرے امداد کے اسرائیل کو دینے کے باوجود اور 100 دن سے زیادہ اسلحہ وبارود کی بارش کے باوجود اور خوراک وپانی اور ادویات کی انتہائی بندش کے باوجود وہ صبر واستقامت کا ایسا پہاڑ اور سیسہ پلائی ایسی دیوار بن گیا، جو اسرائیل سمیت پوری دُنیا کے لیے ناقابلِ تسخیر بن گیا۔ واقعی علامہ محمد اقبالؒ کا یہ شعر آج سمجھ میں آتا ہے کہ

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پر روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

سامعینِ گرامی! اہلِ غزہ بازی لے گئے، اب ہم اُن کے برابر تو نہیں پہنچ سکتے، البتہ اُن کے نقشِ قدم پر چل سکتے ہیں۔ اِک ایسا جذبہ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جس میں سب سے پہلی ترجیح ایمان اور اسلام ہو، دین پر ڈٹ جانے والے علمائے کرام کی صحبت میں اور مساجد اور مدارس کے ماحول میں دین پر عمل پیرا ہونے کی ایسی مشق ہو کہ کیسی ہی دجالی قوت اور مادی کشش مقابلے پر آجائے، مگر اُسے جوتے کی نوک پر رکھنا اور ٹھکرانا آسان ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ بلاشبہ ہمارے لیے رہبر اور رہ نما ہیں، مگر جو لوگ اسے 1400 سال پرانے قصے کہانیاں سمجھتے ہیں، ان کے لیے غزہ کے اس معرکے میں خدا کی مدد ونصرت کی بڑی واضح نشانیاں ہیں۔ خدا ہمیں بھی اس ایمان کا کوئی ذرہ نصیب فرمائے۔ والسلام

اخوکم فی اللہ
محمد خرم شہزاد

فہمِ قرآن

المائدۃ 82-84

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَ رُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ 82

ترجمہ: تم یہ بات ضرور محسوس کر لو گے کہ مسلمانوں سے سب سے سخت دشمنی رکھنے والے ایک تو یہودی ہیں اور دوسرے وہ لوگ ہیں جو (کھل کر) شرک کرتے ہیں اور تم یہ بات بھی ضرور محسوس کر لو گے کہ (غیر مسلموں میں) مسلمانوں سے دوستی میں قریب تر وہ لوگ ہیں، جنھوں نے اپنے آپ کو نصرانی کہا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں بہت سے علم دوست عالم اور بہت سے تارک الدنیا درویش ہیں، نیز یہ وجہ بھی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے۔ 82

تشریح نمبر 1: مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں میں چوں کہ بہت سے لوگ دنیا کی محبت سے خالی ہیں، اس لیے ان میں قبولِ حق کا مادہ بھی زیادہ ہے اور کم از کم انھیں مسلمانوں سے اتنی سخت دشمنی نہیں ہے، کیوں کہ دنیا کی محبت وہ چیز ہے جو انسان کو حق کے قبول کرنے سے روکتی ہے، اس کے برعکس یہودیوں اور مشرکینِ مکہ پر دنیا پرستی غالب ہے، اس لیے وہ سچے طالبِ حق کا طرزِ عمل اختیار نہیں کر پاتے۔ عیسائیوں کے نسبتاً نرم دل ہونے کی دوسری وجہ قرآنِ کریم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ تکبر نہیں کرتے، کیوں کہ انسان کی انا بھی اکثر حق کو قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے محبت میں قریب تر فرمایا گیا ہے، اسی کا ایک اثر یہ تھا کہ جب مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تو بہت سے مسلمانوں نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس پناہ لی اور نہ صرف نجاشی بلکہ اس کی رعایا نے بھی ان کے ساتھ بڑے اعزاز و اکرام کا معاملہ کیا، بلکہ جب مشرکینِ مکہ نے اپنا ایک وفد نجاشی کے پاس بھیجا اور اس سے درخواست کی کہ جن مسلمانوں نے اس کے ملک میں پناہ لی ہے، انھیں اپنے ملک سے نکال کر واپس مکہ مکرمہ بھیج دے، تاکہ مشرکین ان کو اپنے ظلم کا نشانہ بنا سکیں تو نجاشی نے مسلمانوں کو بلا کر ان سے ان کا موقف سنا اور مشرکینِ مکہ کا مطالبہ ماننے سے انکار کر دیا اور جو تحفے انھوں نے بھیجے تھے، وہ بھی واپس کر دیے، لیکن یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عیسائیوں کو جو مسلمانوں سے قریب تر کہا گیا ہے، یہ ان عیسائیوں کی اکثریت کے اعتبار سے کہا گیا ہے جو اپنے مذہب پر عمل کرتے ہوئے دنیا کی محبت سے دور ہوں اور ان میں تکبر نہ پایا جاتا ہو، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانے کے عیسائیوں کا یہی حال ہے، چناں چہ تاریخ میں ایسی بھی بہت مثالیں ہیں، جن میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ بدترین معاملہ کیا۔

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ 83

ترجمہ: اور جب یہ لوگ وہ کلام سنتے ہیں جو رسول پر نازل ہوا ہے تو چوں کہ انھوں نے حق کو پہچان لیا ہوتا ہے، اس لیے تم ان کی آنکھوں کو دیکھو گے کہ وہ آنسوؤں سے بہہ رہی ہیں (اور) وہ کہہ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے ہیں، لہٰذا گواہی دینے والوں کے ساتھ ہمارا نام بھی لکھ لیجیے۔ 83

تشریح نمبر 2: جب مسلمانوں کو حبشہ سے نکالنے کا مطالبہ لے کر مشرکینِ مکہ کا وفد نجاشی کے پاس آیا تو اس نے مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلا کر ان کا موقف سنا تھا، اس موقع پر آں حضرت ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اس کے دربار میں بڑی مؤثر تقریر کی تھی، جس سے نجاشی کے دل میں مسلمانوں کی عظمت اور محبت بڑھ گئی اور اسے اندازہ ہو گیا کہ حضرت ﷺ وہی آخری نبی ہیں، جن کی پیشن گوئی تورات اور انجیل میں کی گئی تھی، چناں چہ جب آں حضرت ﷺ مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے تو نجاشی نے اپنے علما اور راہبوں کا ایک وفد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے سورۂ یٰسین کی تلاوت فرمائی، جسے سن کر ان لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور انھوں نے کہا کہ یہ کلام اس کلام کے بہت مشابہ ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا، چناں چہ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے اور جب یہ واپس حبشہ گئے تو نجاشی نے بھی اسلام قبول کرنے کا اعلان کر دیا۔ ان آیات میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ 84

ترجمہ: اور ہم اللہ پر اور جو حق ہمارے پاس آ گیا ہے، اس پر آخر کیوں ایمان نہ لائیں؟ اور پھر یہ توقع بھی رکھیں کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں میں شمار کرے گا؟ 84

فہم حدیث

خدا کا خوف اور فکرِ آخرت

مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

ایمان کے بعد انسان کی زندگی کو سنوارنے اور فلاح کے مقام تک اس کو پہنچانے میں چوں کہ سب سے بڑا دخل اللہ تعالیٰ کے خوف و خشیت اور آخرت کی فکر کو ہے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت میں ان دو چیزوں کے پیدا کرنے کی خاص کوشش فرمائی، کبھی اس خوف و فکر کے فوائد اور فضائل بیان فرماتے اور کبھی اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال اور آخرت کے ان سخت احوال کو یاد دلاتے، جن کی یاد سے دلوں میں یہ دونوں کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ آپ کے مشہور صحابی حضرت حنظلہ ابن الربیع رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مجالس کا خاص موضوع گویا یہی تھا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور آخرت اور دوزخ و جنت کے متعلق آپ ﷺ کے ارشادات سنتے تھے تو ان کا حال یہ ہو جاتا تھا کہ دوزخ و جنت گویا ان کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ حدیث کے صرف موجودہ ذخیرے ہی سے اگر ایسی سب حدیثیں جمع کی جائیں، جن کا مقصد خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا کرنا ہے تو بلاشبہ ایک پوری کتاب صرف انہی حدیثوں سے تیار ہو سکتی ہے۔

عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا ذَهَبَ ثُلُثَا اللَّيْلِ قَامَ فَقَالَ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا اللّٰهَ اُذْكُرُوا اللّٰهَ جَاءَتِ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ جَاءَ الْمَوْتُ بِمَا فِيهِ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول تھا کہ جب دو تہائی رات گزر جاتی تو آپ اٹھتے اور فرماتے اے لوگو! اللہ کو یاد کرو، اللہ کو یاد کرو، قریب آگیا ہے ہلا ڈالنے والا، قیامت کا بھونچال (یعنی نفخۂ اولیٰ) اور اس کے پیچھے آرہا ہے دوسرا (یعنی نفخۂ ثانیہ) موت ان سب احوال کو ساتھ لے کر سر پر آچکی ہے، موت اپنے متعلقات و مضمرات کے ساتھ سر پر آچکی ہے۔

تشریح: رسول اللہ ﷺ کے رات کے معمولات کے متعلق جو مختلف احادیث مروی ہیں، ان سب کو پیش نظر رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اکثری معمول اور عام عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ شروع میں قریب تہائی رات تک آپ اپنے خاص مشاغل و مصروفیات اور نمازِ عشاء وغیرہ سے فارغ ہوتے تھے، اس کے بعد کچھ آرام فرماتے تھے اور پھر تہجد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ رات کا آخری تہائی حصہ رہ جاتا تو جیسا کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، آپ اپنے متعلّقین اور عام اہلِ ایمان کو بھی ذکر و عبادت کے لیے بیدار کر دینا چاہتے تھے اور نیند کی پیدا کی ہوئی غفلت کو دور کرنے کے لیے اس وقت آپ ان کو قیامت کی لرزہ خیز ہولناکیاں اور موت کی بے پناہ سختیاں یاد دلاتے تھے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ خَافَ اَدْلَجَ وَ مَنْ اَدْلَجَ بَلَغَ الْمَنْزِلَ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ غَالِيَةٌ اَلَا اِنَّ سِلْعَةَ اللّٰهِ الْجَنَّةُ (رواہ الترمذی)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص ڈرتا ہے، وہ شروع رات میں چل دیتا ہے اور جو شروع رات میں چل دیتا ہے، وہ عافیت کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ یاد رکھو! اللہ کا سودا سستا نہیں، بہت مہنگا اور بہت قیمتی ہے۔ یاد رکھو! اللہ کا وہ سودا جنت ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ رَجُلٌ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ مَنْ اَكْيَسُ النَّاسِ وَ اَحْزَمُ النَّاسِ قَالَ اَكْثَرُهُمْ ذِكْرًا لِلْمَوْتِ وَاَكْثَرُهُمْ اِسْتِعْدَادًا لَهُ اُولٰئِكَ الْاَكْيَاسُ ذَهَبُوْا بِشَرَفِ الدُّنْيَا وَ كَرَامَةِ الْاٰخِرَةِ (رواه الطبراني في المعجم الصغير)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ”اے اللہ کے پیغمبر! بتلائیے کہ آدمیوں میں کون زیادہ ہوشیار اور دور اندیش ہے؟“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”وہ جو موت کو زیادہ یاد کرتا ہے اور موت کے لیے زیادہ سے زیادہ تیاری کرتا ہے، جو لوگ ایسے ہیں، وہی دانش مند اور ہوشیار ہیں، انھوں نے دنیا کی عزت بھی حاصل کی اور آخرت کا اعزاز و اکرام بھی۔“

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ عَنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اَلَّذِيْنَ يَشْرَبُوْنَ الْخَمْرَ وَ يَسْرِقُوْنَ؟ قَالَ لَا يَا ابْنَةَ الصِّدِّيْقِ وَلٰكِنَّهُمُ الَّذِيْنَ يَصُوْمُوْنَ وَ يُصَلُّوْنَ وَ يَتَصَدَّقُوْنَ وَهُمْ يَخَافُوْنَ اَنْ لَا يُقْبَلَ مِنْهُمْ اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرَاتِ (رواه الترمذي وابن ماجة)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے قرآنِ مجید کی آیت وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کے بارے میں دریافت کیا کہ ”کیا یہ وہ لوگ ہیں جو شراب پیتے ہیں اور چوری کرتے ہیں؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اے میرے صدیق کی بیٹی! نہیں، بلکہ وہ اللہ کے وہ خدا ترس بندے ہیں جو روزے رکھتے ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں اور صدقہ و خیرات کرتے ہیں اور اس کے باوجود وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کی یہ عبادتیں قبول نہ کی جائیں، یہی لوگ بھلائیوں کی طرف تیزی سے دوڑتے ہیں۔“

Shangrila®

THE FOOD EXPERTS!

EVERY POUR TELLS A *Different Story*

www.shangrila.com.pk | ShangrilaPakistan | ShangrilaPakistan

نجات صرف دینِ محمدی میں ہے

حضرت مولانا عبدالستار حفظہ اللہ

یوں تو اللہ کی اَن گنت نعمتیں ہیں، جن کا کوئی شمار نہیں ہے۔ زمین کے ذرّات بھی گنے جا سکتے ہیں، سمندر اور دریا کے قطرے بھی شمار کیے جا سکتے ہیں، آسمان نما چھت کے ستارے اور سیارے بھی گنے جا سکتے ہیں، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا، ان نعمتوں کی حد ہی کوئی نہیں ہے، لیکن ساری نعمتوں سے بڑھ کر اللہ کے خزانے کی جو سب سے بڑی نعمت ہے، وہ اللہ کا دین ہے، جس شخص کے پاس اللہ کی ساری نعمتیں ہوں، اللہ کا دین نہ ہو، وہ بد نصیب ہے اور بھائی کسی کی آزمائش ایسی ہو جائے کہ کچھ بھی دنیا کی نعمتیں نہ ملی ہوں، ایمان اور دین مل لگ گیا ہو، قسم خدا کی! پھر بھی وہ خوش نصیب ہے۔ اس کے نصیب بڑے اونچے ہیں، اس کی قسمت بڑی ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بڑا راضی ہے تو اللہ تعالیٰ کے خزانے کی سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا دین ہے، نصیب ہو جائے اور یہی وہ نعمت جو اس امت کی تمام اکائیوں کو وحدت کی لڑی میں پرو دیتی ہے۔ یہی وہ طاقت ہے، اسی دین میں یہ طاقت ہے کہ اس امت کی ساری اکائیاں جو ملکوں کے لحاظ سے ہوں، جغرافیائی لحاظ سے تقسیم ہوں، زبان کے لحاظ سے ہوں، علاقیت کے لحاظ سے ہوں، وطن اور شہروں کے لحاظ سے ہوں، یہ جتنی اکائیاں ہیں دین میں طاقت ہے، ان سب کو وحدت کی لڑی میں پرو دے۔

صہیب رضی اللہ عنہ روم سے آئے ہیں اور بلال رضی اللہ عنہ حبشہ سے آئے ہیں اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارس سے آئے ہیں، مدینہ کی گلیوں میں یوں لگتے ہیں، جیسے سبھی ایک ماں باپ کی اولاد ہوں۔ مختلف ذات کے، مختلف رنگ کے، مختلف علاقوں کے حضرات کو اس دین نے ایسی وحدت میں اکٹھا کیا، یوں لگتا ہے سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ آج امت نے اس دولت کی قدر نہیں کی، تبھی تو بکھری پڑی ہے۔ مسلمانوں نے اس دولت کی قدر نہیں کی، تبھی تو ان کا معاشرہ بکھرا پڑا ہے۔ مسلمانوں نے اس نعمت کا شکر ادا نہیں کیا، تبھی تو گھر گھر کے اندر نفرتوں کے کانٹے ہیں۔ دین کی قدر نہیں کی، بڑی دولت ہے اور اللہ ربُّ العزّت بار بار سر کی آنکھوں سے دکھاتا ہے، جب اس نعمت کی ناقدری کی ہے۔ دنیا کی زندگی بھی کچھ عذاب سے کم نہیں ہوتی پھر۔۔۔ ایسا مال دار، ایسا کاروبار، ایسا سرمایہ دار، بچوں میں گھر میں دین کوئی نہیں، نہ بچوں کو باپ کا لحاظ ہے نہ بیوی کو شوہر کا لحاظ ہے، نہ شوہر کو بیوی کا لحاظ ہے، جب میں اپنے بچوں اور اپنے گھر والوں کو مغرب کا دین بے زار کلچر دوں گا، پھر بھول جائیے! اس میں ایمان اور دین کی قدریں زندہ ہوں گی، پھر بھول جائیے! اس گھر میں مشرقی روایات زندہ ہوں گی، پھر بھول جائیے! جب ہم نے انھیں ایسے ماحول میں تعلیم دلائی اور ایسا معاشرہ دیا اور ایسی سوسائٹی دی اور ایسی گندگی کے اندر پھینک دیا، پھر ہم یہ اُمید رکھیں کہ اس کے اندر دینی قدریں پیدا ہوں گی، اسلامی اور مشرقی روایات زندہ ہوں گی، پھر اس کی نظر میں ماں باپ کے رشتوں کا کوئی لحاظ نہیں، پھر ان کے قدروں کا کوئی لحاظ نہیں ہے۔

ایک اللہ کا دین ہے، جھونپڑی ہو یا کوٹھی، اگر یہ نصیب ہو جائے تو زندگی کے رشتوں میں وہ محبتوں کی مٹھاس ملتی ہے، جو قریب قریب جنت میں ملے گی۔ جنت میں دو چیزیں ہر جنتی کو ملیں گی، ایک محبتوں کی فضا ملے گی، دوسرا دل کا سکون اور چین ملے گا، یہ جنت میں ہر جنتی کو ملے گا۔ محبتوں کی فضا، وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ۔۔۔ جنت میں جانے والے کسی شخص کے دل میں دوسرے کے لیے کوئی کھوٹ نہیں ہو گا، سب کا دل ایک دوسرے کے لیے محبت سے بھرا ہوا ہو گا، کوئی کھوٹ نہیں ہو گا۔ دوسری چیز جو وہاں ملے گی، وہ اطمینان اور سکون ہے، یہ ہر جنتی کو ملے گا اور جس خوش نصیب کو اللہ دین کی نعمت دے دے نا، اس دنیا کے اندر بھی اسے یہ دونوں نعمتیں نصیب ہو جاتی ہیں۔

بڑی دولت ہے دین، اس دین کی دولت میں تم جی رہے تھے فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے الفت اور محبت تھی اور جب تم دین سے دور تھے اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً تمہارے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے نفرت اور دشمنیاں تھیں، جب تمہارے اندر دین نہیں تھا، اس کی تصویر یہ ہے اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً اور تمہاری زندگی میں دین کی نعمت آ گئی فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا

اس دین کی نعمت سے اللہ نے تمہارے اندر بھائی چارہ قائم فرما دیا۔ اخوتِ اسلامی، اسلامی رشتے کی یہ مٹھاس تمہارے دلوں میں آ گئی، بڑی دولت تھی، پر بھائی باطل بھی جانتا ہے، اگر اس امتِ مسلمہ کی طاقت ختم کرنی ہے تو اس طاقت کی روح ختم کر دو، دین ختم کر دو، ایمان ان سے نکال دو، بس! سارا عالمی باطل کا ایجنڈا یہی ہے کہ اسلامی دنیا میں دین کی روح باقی نہ رہے بس! مسلمان رہے اسلام نہ رہے، اس لیے کہ اگر اسلام آ گیا تو یہ مشرق، مغرب، شمال، جنوب کالا، گورا ایک جسم کی مانند۔۔۔ باطل بھی جانتا ہے، اس کا عالمی ایجنڈا ہے، اگر ان کو مغلوب رکھنا ہے، ماتحت رکھنا ہے، غلامیت کی زنجیروں میں جکڑ کے رکھنا ہے تو

راستہ ایک ہے: ان سے دین نکال دو اور ان پر ایسے لوگ مسلّط کرو، پوری عالمی دنیا میں جو دین بے زار ہوں اور پھر اس کے ماتحت ایسا معاشرہ کھڑا ہو، جو دین سے دور ہو۔ دین بڑی طاقت ہے، دین بڑی دولت ہے اور دین ایک ہی ہے، صرف دینِ اسلام، یہ سب باطل ہے۔ وحدتِ ادیان، سارے دینوں کو ایک کر دو۔ وحدتِ ادیان نہیں ہوتا، وحدتِ حق ہوتا ہے، حق ایک ہے، باقی سب باطل ہے إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الإِسْلَامُ۔۔۔وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ اسلام کے سوا کوئی دین اللہ کے ہاں قابل قبول نہیں، سارے سکے اب کھوٹے، اب صرف دینِ محمدی کا سِکّہ نجات کا ذریعہ ہے تو یہ بڑی دولت تھی۔

ساری نعمتوں سے بڑھ کر بڑی نعمت دینِ اسلام ہے۔ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ ہماری عزّت کی وجہ، کہہ رہے ہیں دین اسلام ہے، جب انھوں نے دینِ اسلام کو عزّت دی تو پھر دینِ اسلام نے پھر انھیں بھی عزّت دی۔ عزّت کی بلندیوں پر بٹھایا، اللہ کی سب سے بڑی دولت ہماری زندگیوں میں سب سے بڑی ترجیح ہو، مسئلہ ترجیحات کا ہے نا!! ترجیحات کیا ہیں؟ میری زندگی میں اللہ کا حکم ترجیح ہے یا خواہشات ترجیح ہیں؟ نبی کی زندگی ترجیح ہے یا رسم و رواج ترجیح ہیں؟ دین اور اسلام ترجیح ہے یا زمانے کے تقاضے میری نظر میں ترجیح ہیں؟ ترجیحات کا مسئلہ ہے، کس کو کس کی خاطر قربان کر رہا ہے، کس کو کس کی خاطر چھوڑ رہا ہے، اللہ کا حکم مفادات کے لیے چھوڑ رہا ہے یا مفادات کو اللہ کی خاطر چھوڑ رہا ہے۔ ترجیحات کیا ہیں۔۔۔؟ سارا قرآن اس پر بھرا پڑا ہے کہ مسلمانوں نے ہمیشہ سب کچھ قربان کیا، دین و اسلام کو خطرے میں نہیں ڈالا، ترجیحات کا مسئلہ ہے تو ہم اس نظر سے اپنی زندگی دیکھیں کہ ہمارے بچوں میں، ہمارے گھروں میں، ہماری زندگیوں میں ترجیحات کیا ہیں۔ پہلا درجہ ہماری زندگیوں میں کس چیز کا ہے؟ کس چیز کو ہم سامنے رکھ کر سوچتے اور فیصلے کرتے ہیں؟ دین بڑی دولت ہے۔

ایک صحابی ذوالبِجادَیْن دو چادروں والے صحابی اللہ کے نبی ﷺ کی خدمت میں آئے۔ دینِ اسلام قبول کر لیا، جہاں رہتے تھے وہاں حالات ناساز گار تھے، حالات مشکل تھے، آپ ﷺ نے فرمایا: بیٹے! اسلام تو قبول کر لیا، لیکن اس کا اظہار نہ کرنا۔ یہ خیال تھا کہ شاید یہ حالات کا اتنی جلدی مقابلہ نہ کر سکے، سختی تکالیف برداشت نہ کر سکے، فرمایا: ابھی ٹھہر، جب ہم کہیں گے پھر اظہار کرنا۔ ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا والدہ زندہ تھیں، چچا کے زیرِ سایہ زندگی گزر رہی تھی، چند دن گزرے اس صحابی کی زندگی کا انداز بدلا ہوا تھا۔ اللہ ہمیں بھی نصیب فرمادے ایسا دین، اس لیے کہ جب خوش بو بڑھیا ہوتی ہے نا تو وہ پردوں میں نہیں چھپتی، آ ہی جایا کرتی ہے تو جب دینِ اسلام کی حقیقت آ جائے تو چھپتی کہاں ہے؟ بڑا مشکل ہوتا ہے چھپانا، بھتیجا! بہت بدلا ہوا نظر آ رہا ہے، کہیں اس شخص کے پاس تو نہیں گئے جو مدینہ میں نئے آئے ہیں۔ سبحان اللہ! پتا ہے، اللہ کے نبی ﷺ کی بات ہے، ہمارا دین کہتا ہے مسلمان اپنی فطرتی کم زوری کی وجہ سے بزدل تو ہو سکتا ہے، مسلمان مال سے فطرتی محبت کی وجہ سے بخیل تو ہو سکتا ہے، مسلمان جھوٹا نہیں ہو سکتا اور یہ بھی پتا ہے، اس سچائی پر کیا قیمت چکانی پڑے گی اور یہ بھی پتا ہے، اس سچائی کی کیا قیمت دینی پڑے گی، کہہ دیا: ہاں اسی کے پاس سے ہو کر آیا ہوں۔ چچا نے کہا: بھتیجے! چند دن کی مہلت ہے یا تو اسے چھوڑ دو یا زندگی کے تمام مفادات سے دست بردار ہو جاؤ۔ مؤرّخین نے لکھا اس نوجوان نے کہا: چچا جان! ساری دنیا چھوٹ سکتی ہے، اب دینِ اسلام نہیں چھوٹ سکتا۔۔۔

کہنا آسان ہے، معاملہ ترجیحات کا ہے نا کہ میری زندگی میں میرے بچوں کے لیے ترجیحات کیا ہیں؟ کہا: چچا! سب کچھ چھوٹ سکتا ہے اسلام نہیں چھوٹ سکتا، دین نہیں چھوٹ سکتا۔ چچا نے جو کہا وہ کر کے دکھایا، بے لباس کر کے گھر سے باہر نکال دیا، دھکا دے دیا، ماں دوسرے دروازے سے آئیں، اپنی چادر اس نوجوان کے حوالے کی، ماں کی ممتا، اس نے اس کے دو ٹکڑے کیے، ایک کندھے پہ ڈالا، ایک سے ستر ڈھانپ لیا۔ یہ صحابی حضورِ پاک ﷺ کی خدمت میں آئے۔ صحابہ فرماتے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے ان کا استقبال کیا، یوں لگا جیسے آپ کا چہرہ چودھویں کا چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ آپ ﷺ نے اس نوجوان کو حوصلہ دیا اور کہا: ”اب ہم تمہارے سب کچھ ہیں، سفر حضر میں آپ ﷺ اس کو ساتھ رکھتے۔ سفر میں اس نوجوان کی طبیعت خراب ہوئی، آپ ﷺ نے اسے گود میں اٹھا لیا اور اسی گود میں اس نوجوان کی روح پرواز کر گئی۔ اللہ کے نبی ﷺ فرمانے لگے: ہم اس کے سب سے قریبی ہیں، نہلائیں گے بھی ہم، کفن بھی ہم پہنائیں گے، قبر میں بھی ہم اتاریں گے۔

نہلایا، کفن پہنایا، قبر میں اترے اور ہاتھوں میں اٹھایا اور ہاتھوں میں اٹھا کر مٹی پہ رکھنے لگے، حضرت عمرؓ فرمانے لگے: ”آج تک کسی جانے والے پر اتنا رَشک نہیں آیا، جتنا اس نوجوان پر آیا۔ آج میری اندر کی چاہت تھی کہ کاش! حضور ﷺ کے ہاتھوں میں آج میں ہوتا۔ مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهٗ ارے! اللہ کے بن کے تو دکھاؤ، اللہ بھی تمہارا ہو جائے گا۔ کچھ اللہ کے لیے قربان کر کے تو دیکھو، اللہ تمہیں اس سے بہتر دولت دیں گے، اس سے بڑی دولت ملے گی۔ سچے نبی کا سچا ارشاد، سچے نبی کا سچا پیغام، مشکل ہوتا ہے نا دین کی خاطر کچھ حرام چھوڑنا، کچھ ناجائز چھوڑنا، کچھ رسم و رواج چھوڑنا، کچھ معاشرے اور سوسائٹی کے غلط تقاضوں کو قربان کرنا مشکل ہوتا ہے، حوصلہ رکھو! اپنے نبی کریم ﷺ کی بات پر اعتماد کرو، فرمایا: کچھ اللہ کے لیے چھوڑ کے دیکھو تو سہی، اللہ تمہیں اس سے بہتر دیں گے۔ چچا چھوڑا، مال چھوڑا، کون ملا؟ اللہ کے حبیب ﷺ ملے اور کہاں سے جنازہ اٹھا؟ کن کے ہاتھوں میں روح نکلی؟ کس نے قبر میں رکھا؟ امام الانبیا ﷺ!! اللہ کے بعد کوئی ہستی ہیں تو محمد رسول اللہ (ﷺ)۔

دین بڑی دولت ہے میرے عزیزو! قدر کر کے تو دیکھو اس دین کی خاطر کچھ قربان کر کے دیکھو، کیا دیتا ہے یہ، دنیا کی نایاب نعمتیں ہیں دل کا سکون! دنیا کی نایاب دولت ہے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام! دنیا کی نایاب چیزیں ہیں دل کا غنی ہونا اور اندر کا بادشاہ ہونا اور دل کا فقر کا ختم ہونا، اندر کی بھوک مٹ جانا اور دل کے فکر کا ختم ہونا اور اندر کی حرص و ہوس کا ختم ہو جانا، یہ زندگی کی نایاب دولت ہے۔ دین کی بدولت اللہ یہ ساری دولتیں اس دنیا میں عطا فرماتا ہے۔ اندر کی بھوک مٹ جاتی ہے، اندر کا اللہ تعالیٰ بادشاہ بنا دیتے ہیں۔ اندر کی بے چینی بے سکونی ختم ہوتی ہے۔ اللہ دل کا سکون اطمینان نصیب فرماتے ہیں۔ اللہ کریم محبتیں اور عزّتیں اپنے پیاروں کے دل میں اس کے لیے ڈال دیا کرتے ہیں، یہ دین کا میٹھا پھل ہے، جو اس دنیا میں ملتا ہے تو میرے عزیزو! دین بڑی دولت ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کریں، اس کی قدر کریں اور امت کا یہ سب سے بڑا سرمایہ ہے، یہی وہ بنیاد ہے جس سے امت، وحدت اور اتحاد کی نعمت سے سرفراز ہو سکتی ہے اور باطل کی ساری محنت اس پر ہے کہ بس اس کے اندر دین نہ رہے۔ آج معاش اور معیشت کی سواریوں پر ساری بے دینی آ رہی ہے، معاش اور معیشت کی سواریوں پر سوار ہو کر ہر فتنہ آ رہا ہے اور اس فتنے کے پیچھے بنیاد ہے مسلمانوں کو سب کچھ دے دو، دین سے بے زار کر دو، اسے دین سے دور کر دو تو میرے عزیزو! ہماری دنیا کی عزّت کا سامان، ہماری دنیا کی طاقت، ہماری دنیا کی فلاح اور آخرت، جس دولت سے ہم سرفراز ہوں گے وہ اللہ کا دین ہے۔ اسے نہ ضایع ہونے دینا، اس کی ناقدری نہ کرنا، اس کو اپنی زندگی کی سب سے ترجیح بنانا۔ اللہ ربُّ العزّت ہمیں ہر فیصلے اور اپنی زندگی کے ہرِ نقشے اس دولت کو سامنے رکھ کر کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین!

مسئلہ فلسطین
ماضی، حال اور مستقبل

سیدہ فاطمہ طارق

ہم یہودیوں کو فلسطین اور تمام دنیا کے مسلمانوں کا دشمن گردانتے ہیں، جب کہ مسلمانوں اور دیگر تمام مذاہب کے اصل دشمن اور تمام اسلام دشمن قوتوں کی ڈوریاں دراصل صہیونیوں یعنی zionist کے ہاتھ میں ہیں۔ یہ ان کے میڈیا اور پراپیگنڈہ کا کمال ہے کہ مسلمان اپنے اصل دشمن کو اب تک پوری طرح پہچان ہی نہیں سکے، اس کے خلاف لڑنے کا سوال تو اسے مکمل طور پر پہچاننے کے بعد پیدا ہوگا۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ صہیونیت دراصل بہت سی خفیہ تنظیموں "الیومینائی" اور "فری میسنز" وغیرہ کے ذریعے تمام دنیا کو مختلف غیر محسوس ذرائع سے کنٹرول کر رہی ہے، یہاں تک کہ اصل یہودی اور امریکہ کے کرسچین بھی دراصل اس تنظیم کے آلۂ کار ہیں۔

لفظ zionism پہلی مرتبہ 1890 میں NathanBirnbaum نام کے یہودی نے ایجاد کیا۔ اس کے بعد 1896 میں TheodorHerzl نامی ایک شخص جو نسل سے تو یہودی تھا، لیکن سیکولر (یعنی لادین تھا) نے اس نظریے پر باقاعدہ عملی کام کا آغاز کیا۔ اوائل میں اسے کوئی خاطر خواہ پذیرائی نہیں ملی۔ اس کے بعد اس نے پہلے یورپ کے یہودیوں پر مظالم اور پھر "مبینہ ہالوکاسٹ" کو اپنی تحریک کی بنیاد بنایا۔ ہالوکاسٹ ایک حقیقت ہے یا افسانہ اس بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ مغربی دنیا ویسے تو لاکھوں برس قبل پیش آنے والے واقعات کی تحقیقات فخر سے کرتی ہے، لیکن ہالوکاسٹ کے بارے میں بات کرنا بھی منع ہے اور اس بارے میں بات کرنے والے کے لیے سخت سزا کے قوانین ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے یہودیوں کے جذبات کو بھڑکانے کے لیے ان کی عبرانی کتب میں موجود نظریے "ww" کو بنیاد بنالیا۔ اسے اتنی کام یابی ملی کہ اگلے برس یعنی 1897 میں بہت سے انتہا پسند یہودی اس کے ساتھ مل گئے اور انھوں نے باقاعدہ صہیونی تحریک کا آغاز کر دیا۔ صہیونیت کی بنیاد یہودی مذہب کے بجائے اس بات پر ہے کہ تمام دنیا نے ان پر بے شمار ظلم کیے ہیں اور اب ان کا حق ہے کہ وہ تمام دنیا سے اپنے اوپر کیے جانے والے "مبینہ مظالم" کا بدلہ لیں۔ اس لیے تورات کی تعلیمات کے برخلاف ان کا نظریہ ہے کہ اپنی ریاست کے قیام کے لیے کسی بھی علاقے پر زبردستی قبضہ اور قتل و غارت کرنا ان کا حق ہے، کیوں کہ وہ تمام مذاہب اور تمام نسلوں سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ اس انتہا پسند ریاستی ایجنڈے کے بہت سے اتحادی ہیں، جن میں کرسچین بھی شامل ہیں۔ انھیں christian zionist کہا جاتا ہے۔ یہ لوگ بظاہر تو عیسائی ہیں، لیکن اسرائیل کی حمایت میں یہ لوگ یہودیوں سے بھی آگے ہیں۔ حاصل یہ ہے کہ موجودہ اسرائیل ایک ریاست نہیں نہ ہی صرف یہ یہودیت وصہیونیت کی پناہ گاہ ہے، بلکہ یہ یہودیت کے ترتیب دیے ہوئے عالمی طاغوتی نظام (نیو ورلڈ آرڈر) اور دجالی ریاست کا پایۂ تخت ہے، جو اپنے صدیوں کے خفیہ عزائم کے تحت مسجدِ اقصیٰ اور گنبدِ صخرہ کو گرا کر دجّال کی آمد اور عظیم تر اسرائیلی ریاست کے قیام کی پہلی اینٹ رکھنے کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔

ارضِ فلسطین میں ان کی ریاست کا قیام ان کی کام یابیوں اور کامرانیوں کا سنگِ میل ہے، لیکن جو شخص قرآن وسنت کا مطالعہ کرتا ہوا سے اس بات میں ذرا شک نہیں کہ مقبوضہ فلسطین میں یہودیوں کا اجتماع درحقیقت ان کی آخری اور ابدی شکست بلکہ روئے زمین سے ناپید گی کا نقطۂ آغاز ہے۔ حدیث شریف کی پیش گوئی کے مطابق ارضِ فلسطین کی طرف دنیا کے یہودیوں کا رجوع اور ان کا یہاں سمٹ آنا دراصل اس آخری اور فیصلہ کن معرکے کا پیش خیمہ ہے، جو اس خطے میں اہلِ ایمان اور خدا رسول کی گستاخی اور مردود یہودی قوم کے درمیان لڑا جائے گا۔ اس معرکے میں سرزمینِ انبیا کا پتھر اور درخت مسلمان مجاہدین کو پکارے گا کہ "اللہ کے بندے! ادھر آ، یہاں میرے پیچھے یہودی چھپا بیٹھا ہے۔ اس کی تمام شیطانیت اور دجل سمیت اسے اس کے آخری ٹھکانے جہنم کے آخری سرے تک پہنچادے۔ بمطابق فرمان صادق امین نبیٔ رسولِ کریم ﷺ صرف غرقد درخت یہودیوں کی نشاندہی نہ کرے گا۔" چناں چہ آج اسرائیلی دارالحکومت اور دیگر شہروں میں صحافی حکومت نے غرقد کے لاتعداد درخت جابجا لگوائے ہیں، لیکن اس بات کی طرف ان کا دھیان نہیں گیا کہ جب ان کی ہزاروں سال کی نافرمانی اور گستاخی کی سزا قریب آ گئی تو غرقد کے درخت کب تک انھیں پناہ دیں گے۔

مسلمانوں کو یہودیوں کے بے پناہ ظلم اور جور وجفا سے خائف ہونے کے بجائے شریعت کی کامل اتباع اور جہاد فی سبیل اللہ پر پختہ اور مضبوط ہو جانا چاہیے۔ مقبوضہ فلسطین کی طرف دنیا بھر سے یہودیوں کی نقل مکانی دراصل ان کے آخری انجام کی تمہید ہے۔

جب ان کی اکثریت یہاں سمٹ آئے اور ان کی حرکات حد سے تجاوز کر جائیں گی اور ان کا فتنہ پرور رہ نما دجّال ان کو لے کر مسلمانوں کے خلاف اٹھے گا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کی قیادت میں مجاہدین کا لشکر ان کی سرکوبی کے لیے دمشق اور فلسطین کی طرف بڑھے گا، تب دجّال فرار ہوگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کا پیچھا کریں گے اور حدیث شریف کے مطابق یہ مردود ترین فرد ان کے ہاتھ موت کے گھاٹ اترے گا۔ (صحیح مسلم باب ذکر الدجال، ج:2، ص:104)

پھر اس کی مردود قوم بھی مجاہدین کے ہاتھوں ہمیشہ کے لیے فنا کی گھاٹی میں اتر جائے گی، لہٰذا اللہ سے مضبوط تعلق رکھنے والے اور اس کی خاطر جان دینے کا جذبہ رکھنے والے ثابت قدم رہیں گے اور عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کے لشکر میں شامل ہو کر مغفرت اور جنّت کے مستحق ہوں گے۔

بیداری کی لہر

شمائلہ شکیل

نوے دن ہو چکے ہیں۔ فلسطین کے بہادر بیٹے اور بیٹیاں خود کو اور اپنی اولاد کو مسجدِ اقصیٰ کی آزادی اور حفاظت کے لیے قربان کر رہے ہیں۔ ان کی استقامت اور بہادری نے دشمن کو بوکھلا دیا ہے اور وہ اسی ہڑبڑاہٹ میں نہتے مسلمانوں پر ظلم کر رہا ہے۔ ظلم کا ایسا کوئی حربہ نہیں جو اس نے نہ آزمایا ہو۔ معصوم بچوں کو موت کی نیند سلا کر ان بہادروں کو جھکانا چاہا، بھوک کی بیڑیاں پیروں میں ڈال کر روکنا چاہا، پانی اور بجلی بند کر کے حوصلے پست کرنے کی کوشش کی اور شہر اجاڑ کر، بے گھر کر کے اپنی منوانی چاہی۔ ہر طریقہ استعمال کر کے دیکھ لیا، لیکن کام یاب نہ ہو سکے۔

میرے سامنے گوگل پر غزہ کی بہت سی تصاویر ہیں۔ ان میں سے ہر تصویر جنجھوڑ دینے والی ہے۔ ایک فوٹو میں خاتون عبایا پہنے، اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے دہائیاں دے رہی ہے۔ اس کے پس منظر میں تباہ حال عمارتیں ہیں۔ وہاں بہت سے لوگ ہیں جو یقیناً ملبے تلے اپنے پیاروں کو ڈھونڈ رہے ہیں۔ دوسری تصویر میں ایک شخص تقریباً دس سالہ بچے کو بازوؤں میں اٹھائے جا رہا ہے۔ بچے کا ایک بازو بہت زیادہ کالا ہو رہا ہے، جبکہ باقی ہاتھ پاؤں صرف گرد آلود ہیں اور چہرہ خون سے لتھڑا ہوا ہے۔ اب میرے سامنے ایک ملبے کا ڈھیر ہے اور اس پر ایک پانچ چھ سالہ بچہ تنہا کھڑا رو رہا ہے۔ اس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں سے چہرے پر نشان پڑ گئے ہیں۔ اس کی متلاشی نگاہیں کسی شناسا چہرے کو ڈھونڈ رہی ہیں۔ ایک اور شخص اپنے ٹوٹے مکان کے پتھروں پر بیٹھا ہے۔ اس کے چہرے پر دکھ اور اُداسی ہے۔ اس کے سامنے ایک ٹیڈی بیئر رکھا ہے، جس کے ساتھ کھیلنے والے نہ جانے کہاں ہیں۔ ایک اور منظر سفید، گلابی اور سلیٹی رنگ کی ٹائلوں والے فرش پر ایک سترہ، اٹھارہ سالہ لڑکی لیٹی ہوئی ہے۔ اس کے سر کے نیچے ایک کپڑا ہے، جو خون آلود ہے۔ چہرے پر تکلیف اور اذیت کے آثار ہیں۔ بازو اور ٹانگیں جھلسی ہوئی ہیں۔ چہرہ قدرے بہتر ہے۔ ایک تصویر میں زمین، شہدا کی میّتوں سے بھری ہوئی ہے اور دوسری میں شہدا کو اجتماعی قبر میں دفن کیا جا رہا ہے۔

فلسطین کی بہادر اور عظیم قوم اپنے خون کے چھینٹوں سے امتِ مسلمہ کو خوابِ غفلت سے بے دار کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ ان کی قربانیاں اثر دکھا رہی ہیں۔ دشمن کی مصنوعات کا بائیکاٹ، پُرامن احتجاج، ریلیاں، ”مجلس اتحادِ امت“ کے زیرِ اہتمام ”مسجدِ اقصیٰ اور امتِ مسلمہ کی ذمہ داریاں“ کے عنوان سے عظیم الشان کنونشن کا انعقاد اسی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

وادئ تیہ

امۃ اللہ

تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جو کتابوں کو نازل کرنے والی، بادلوں کو چلانے والی ہے، جو گرہوں کو شکست دینے والی، سرکشوں کی سخت پکڑ کرنے والی ہے۔ آنکھیں اشکبار ہیں، دل غم زدہ ہے۔ ہم آج سے پہلے کبھی اتنے بے بس نہ ہوئے، ان کے لیے آنسو بہانے کے سوا بہت بے بسی ہے۔ ہمیں اپنے ایمان والے ساتھیوں کے حق میں کھڑے ہونے کی ہمتیں نہیں سکھائی گئیں۔ دنیا کی معمولی سی باتوں پر ہمتیں نڈھال اور حوصلے شکستہ دکھائی دیتے ہیں۔ وہاں خون کے فواروں میں معصوم جانیں نہا رہی ہیں۔ اصحابُ الاخدود کا منظر دکھائی دیتا ہے۔ روز نعشوں کا ڈھیر، ہر دن تباہ کن مناظر آج سے پہلے انسانیت کا ایسا تماشہ نہ دیکھا گیا۔ روح کو لرزاں دینے والی آوازیں، معصوم ننّھی نگاہیں، آرزؤں امنگوں سے بھری ہوئی ننّھی کلیوں کے دل خراش لہجے۔

آہ! کہ درد کو بھی ان کے درد نے شرمندہ کیا۔۔۔

آہ! کہ چھلنی ہوتے ہوئے اجسام۔۔۔

دل کی دھڑکنیں رکتی ہیں، ان کی قربانیوں نے قربانیوں کو رونک بخشی، ان کے خون سے اقصیٰ کا گنبد رنگا گیا، انبیا کی اولادیں ہمارے سروں کے تاج اتارے گئے۔۔۔

ہم یہاں مطمئن پُرسکون زندگی میں مگن کسی بے حسی کی رُت میں بہے جا رہے ہیں۔

کیوں کہ ہم کہہ چکے غزہ کی وادی کو کہ تم اور تمہارا پروردگار لڑے اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ

ہم وادئ تیہ میں پھنسے ہوئے ہیں وہی دائرہ زیست جس کی کوئی قیمت نہیں اللہ کی نگاہ میں۔۔۔

وہ خون ہی کیا جو سرد ہو! وہ جان ہی کیا جو لٹائی نہ جائے!

وہ دل ہی کیا جو تڑپتا نہ ہو!

وہ مومن ہی کیا جو تیغ نہ ہو!

ان کے درد کا کوئی مول نہیں۔

اور ان کی ہمت بے مثل ہے، ان کا صبر جزیل ہے، ان کا اجر عظیم ہے۔

کل آخرت میں اس آزمائش پر ہم فقرے لے کر کھڑے ہوں گے، کیوں کہ ہم ان کی مصیبت میں شانہ بشانہ نہیں، بلکہ ان کی پشت پناہی میں تھے۔

آج کافر تک چیخ اٹھا اس بھیانک جنگ کو دیکھ کر، انسانیت کی حدوں کو پار کرتا ہوا اسرائیل یقیناً اپنے خداداد انجامِ بد کو پہنچ کر رہے گا، ان شاءاللہ!

جو اس نے اللہ کے لشکر کو دعوت دی ہے، اب اپنی خیر منائے۔۔۔ ہم فلسطین کے لیے دعا گو ہیں کہ اس کے سوا ان خالی ہاتھوں میں کچھ نہیں ہے۔ کیوں کہ ہمارے بچے جب بولنا سیکھتے ہیں تو اے بی سی سے۔۔۔ اور جب چلنا سیکھتے ہیں تو گرنے کے خوف سے۔۔۔ اور جب لباس پہنتے ہیں تو تفاخر کے لیے۔۔۔ اور جب چال چلتے ہیں تو سہارے کی۔۔۔ اور جب بڑے ہوتے ہیں تو کمانے کے لیے اور جب بوڑھے ہو جاتے ہیں تو تمبا کو کھانے کے لیے۔

یہ ہمارا معاشرتی نظام ہے اور اس نظام سے ہم غزہ کی وادی کی حفاظت کی اُمید لگاتے ہیں۔

سچ بولنے کی جن میں طاقت نہیں، ان بازوؤں سے ہم بندوق اٹھانے کی اُمید لگاتے ہیں۔

فلسطین کے اللہ اکبر کہتے ہوئے بچے نہیں۔

ان کی روتی ہوئی الحمد کی صدائیں کرتی ہوئیں مائیں نہیں۔

ہاتھوں میں بچوں کے چیتھڑے لیے آنسو ضبط کرتے باپ نہیں۔

کم زور ہم ہیں، کم زور ہم ہیں، کم زور ہم ہیں۔۔۔ جو اس وادئ تیہ سے نکل نہیں پا رہے۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا تلاش کرتے ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی!!!

ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ یا بدر کے فرشتوں کی قطار!!

لیکن خود ہم کچھ نہیں کر رہے کچھ بھی نہیں۔۔۔!!

الرجی

حمیرا علیم

بہار کا موسم شروع ہوتے ہی درختوں پر پتے اور خوشے پھوٹنے لگتے ہیں۔ ہر طرف ہریالی ہو جاتی ہے۔ پھول کھلنے لگتے ہیں۔ لوگوں کے موڈ پہ بھی خوش گوار اثر ہوتا ہے، لیکن کچھ لوگوں کے لیے بہار کا موسم کسی عذاب سے کم نہیں ہوتا۔ آپ سوچ رہے ہوں گے کہ ایسے کون سے بدذوق لوگ ہیں جو بہار کو عذاب سمجھتے ہیں تو جناب ہر وہ شخص جو کہ الرجی کا مریض ہے، وہ اس موسم میں جن کیفیات کا شکار ہوتا ہے، وہ کسی عذاب سے کم نہیں ہوتیں۔

الرجی کیا ہے اور کیوں ہوتی ہے اور اس کی علامات کیا ہیں، اس سے بچاؤ کے لیے کیا تدابیر کی جانی چاہییں؟ جب جسم کے مدافعتی نظام کو کسی نقصان دہ چیز کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ الرجی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ اشیا جو الرجی کی وجہ بنتی ہیں "الرجن" کہلاتی ہیں۔ الرجی کی بہت سی اقسام ہیں، کچھ موسمی ہوتی ہیں تو کچھ سارا سال رہتی ہیں اور بعض تو ایسی بھی ہیں جو پوری عمر پہ محیط ہو جاتی ہیں۔ ان میں زیادہ عام مندرجہ ذیل ہیں۔

1 ادویات سے الرجی:

عموماً لوگ اس کا کم ہی شکار ہوتے ہیں، کیوں کہ زیادہ تر ادویات کا رِی ایکشن نہیں ہوتا، بلکہ سائیڈ ایفیکٹس ہوتے ہیں، اسی لیے بعض مصنوعات پہ وارننگ لکھی ہوتی ہے کہ استعمال سے پہلے اسے بازو پہ ٹیسٹ کر لیں۔ اس کی علامات سے اس کا پتا چلایا جاتا ہے۔

2 خوراک سے الرجی:

دنیا بھر میں مختلف لوگوں کو مختلف اشیائے خورد و نوش سے الرجی ہوتی ہے، لیکن مونگ پھلی اور اس سے بنی اشیا سے الرجی ایک عام قسم ہے، اس کی دو اقسام ہیں: "ایل جی ای میڈیا یٹڈ" اور "نان ایل جی ای میڈیا یٹڈ۔" جب کوئی شخص ایسی خوراک کھاتا ہے تو اس کا منہ یا پورا جسم پھول جاتا ہے، منہ میں چھالے بن جاتے ہیں، بعض اوقات سانس بھی رک جاتی ہے۔ ہر شخص میں اس کی علامات مختلف ہوتی ہیں۔

3 حشرات اور کیڑے مکوڑوں سے الرجی:

شہد کی مکھی، مکڑی، ہورنٹ، ییلو جیکٹ (بھڑوں کی اقسام) فائر اینٹ اور کوئی بھی ایسا کیڑا جو ڈنگ رکھتا ہے، اس کا سبب بن سکتا ہے۔ بنا ڈنگ کے کیڑے بھی اس کی وجہ بن سکتے ہیں، جیسے کہ لال بیگ، بستر اور مٹی کے کھٹمل۔ ان کے کاٹنے سے جسم پہ سرخ رنگ کے دھبے، خارش اور دمہ ہو سکتا ہے جو کہ سارا سال رہتا ہے۔

4 لیٹکس الرجی:

قدرتی ربڑ لیٹیکس سے بنی اشیاء: دستانے، غبارے وغیرہ سے یہ الرجی ہو سکتی ہے۔

5 مولڈ الرجی:

پھپھوندی فنگس ہیں اور چوں کہ فنگس گھر کے اندر اور باہر بند اور کھلی ہر جگہ پہ ہو سکتا ہے، اس لیے یہ الرجی سارا سال ہی رہتی ہے۔

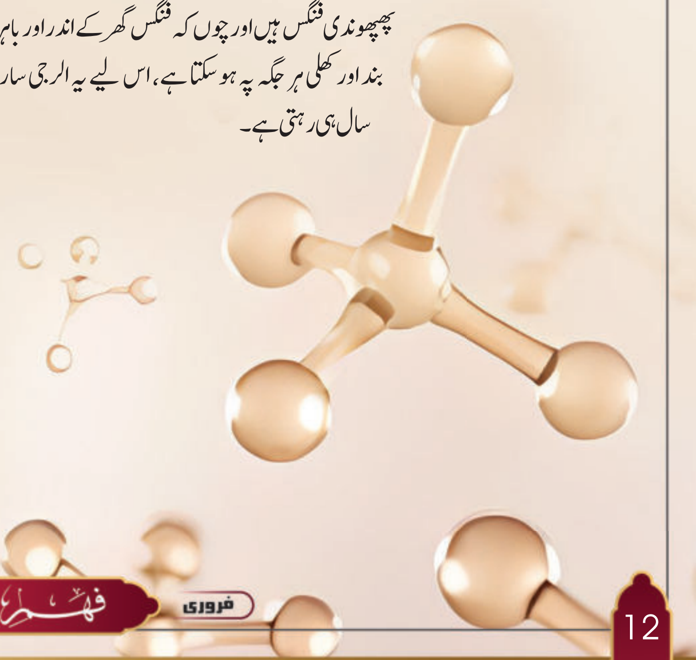

6 پالتو جانوروں سے الرجی:

پالتو جانوروں کے بالوں یا کھال سے ہونے والی الرجی بھی تب تک ختم نہیں ہوتی، جب تک وہ جانور گھر میں رہے۔ یہ یاد رکھیے کہ ایسے بلی اور کتے دستیاب نہیں ہیں جو الرجی فری ہوں۔

7 پولن الرجی:

پولن الرجی موسمی ہوتی ہے، کچھ لوگ اسے تپ کاہی Hay fever سمجھتے ہیں جبکہ یہ موسمی الرجی ناک کی سوزش ہے۔

8 لیکٹوز انٹولرینس (LectoseIntolerance)

اس کا شکار شخص کوئی ایسی چیز نہیں لے سکتا، جس میں لیکٹوز پایا جاتا ہے۔ دودھ، مکھن، کریم، میدہ، آٹا جس چیز میں شامل ہو، وہ کھاتے ساتھ مریض کا سانس بند ہو سکتا ہے۔

الرجی کی علامات عموماً اس کا ری ایکشن فوراً ظاہر ہوتا ہے، جس میں کھانسی، چھینکیں، ناک کا بہنا یا بند ہو جانا، آنکھوں کا سرخ ہونا اور ان سے پانی بہنا، جسم پہ سرخ دھبے اور خارش، ایگزیما، دمہ یا جسم کا سوج جانا شامل ہیں۔ اکثر یہ ری ایکشن اتنے شدید نہیں ہوتے، لیکن بعض اوقات یہ شدّت اختیار کر جاتے ہیں، جنہیں Anaphylaxis یا Anaphylactic shock کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں مریض کو فوراً ڈاکٹر کے پاس لے جا کر اسے طبّی امداد دی جانی چاہیے۔

علاج: اس کا مکمل علاج تو ابھی تک دریافت نہیں ہو سکا۔ ہاں احتیاطی تدابیر اور کچھ ادویات کے استعمال سے اسے کنٹرول ضرور کیا جا سکتا ہے، جب کبھی الرجی ہو تو (Antihistamines) (الرجی کی دوا) کا استعمال کرنا بہتر ہے، تاکہ الرجی کا ری ایکشن نہیں ہو۔ بند ناک کے لیے Decongestant جیسے کی کوئی گولی، مائع یا اسپرے لیا جاتا ہے۔

جسم پر سرخی اور خارش کے لیے لوشن اور کریم استعمال کی جا سکتی ہیں۔ کسی الرجی کے رِی ایکشن میں ہونے والی سوجن اور سرخی کو ختم کرنے کے لیے Steroids کی گولی، قطرے، کریم یا ان ہیلر لیا جا سکتا ہے۔

کچھ لوگوں کو جب شدید رِی ایکشن ہو جاتا ہے تو انھیں Immunotherapy تجویز کی جاتی ہے، جو طویل عرصے پہ محیط ہوتی ہے۔ اس میں ڈاکٹرز کی زیرِ نگرانی الرجنز میں رہ کر اس کے خلاف قوّتِ مدافعت بڑھائی جاتی ہے اور جب جسم اس کا عادی ہو جاتا ہے تو اس سے کم متاثر ہوتا ہے، لیکن سب سے اہم بات یہ ہے کہ خود سے کسی بھی الرجی کے لیے تشخیص یا دوا نہیں لینی چاہیے۔ ڈاکٹر سٹیفن ڈِرلیس یونی ورسٹی آف مانچسٹر سے گریجویٹ ہیں۔ وہ ایک ایمونولوجسٹ ہیں، ان کا کہنا ہے "لوگ الرجی کے لیے ایک این ٹی اسپیشلسٹ کے پاس جاتے ہیں، جو کہ گلے، ناک اور آنکھوں سے متعلقہ امراض کا علاج کرتے ہیں، جبکہ الرجی کے لیے الرجسٹ/ ایمونولوجسٹ کے پاس جانا چاہیے جو کہ الرجی کا علاج بغیر سرجری کے کر سکتے ہیں۔ بہت سے لوگ جو کہ ماحولیاتی الرجی کا شکار ہوتے ہیں، ہر وقت بند ناک اور سر درد کی شکایت کرتے ہیں، اسی لیے ایک این ٹی ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، بے شک الرجی کی وجہ سے جسم کے دوسرے اعضا بھی متاثر ہوتے ہیں، جیسے کہ جلد، پھیپھڑے، معدے کا نظام اور ناک کی ہڈی۔ اگر آپ کے ناک کی ہڈی پہ دباؤ ہے تو بجائے ای این ٹی اسپیشلسٹ کے پاس جانے کے الرجسٹ کو دکھائیں۔ "ڈاکٹر پیٹر سٹوری" نیوزی لینڈ کے مشہور الرجسٹ ہیں، ان کا کہنا ہے۔ جب بھی آپ کو یہ علامات ظاہر ہوں آپ کو فوراً الرجسٹ کے پاس جانا چاہیے۔ ناک کی

بقیہ صفحہ نمبر 14 پر

پرہیز اور پرہیزگاری

حکیم شمیم احمد

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّن كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهُ فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (النحل:112)

ترجمہ: اور اللہ ایک ایسی بستی کی مثال بیان فرماتا ہے، جہاں ہر طرح کا امن چین تھا، اس کی روزی بافراغت ہر جگہ سے چلی آتی تھی، پھر اللہ کے احسانوں کی ناشکری کی، پھر اللہ نے ان کے برے کاموں کے سبب سے جو وہ کیا کرتے تھے، یہ مزہ چکھایا کہ ان پر فاقہ اور خوف چھا گیا۔

قارئین کرام! میں نے اس کتاب کے تمام مضامین میں بھرپور کوشش کی ہے کہ امراض لاحق ہونے سے پہلے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کر لی جائے، تاکہ مرض جڑ پکڑنے سے پہلے ہی اس کا ازالہ کیا جائے۔ حفظانِ صحت کے اصول، قوانین اور ضابطوں پر عمل کر کے انسان صحت مند زندگی گزار سکتا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ درست ہے، لیکن انسان سے زندگی میں عموماً یا سہواً کچھ نہ کچھ کوتاہیاں، لغزشیں اور غفلتیں ہو جاتی ہیں، جن کی پاداش میں اللہ کی طرف سے پکڑ آتی ہے، پھر انسان جسمانی اور روحانی اذیتوں، کرب اور بے چینی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اس کا اس طرف دھیان بھی نہیں جاتا کہ اس کی ذات سے کسی کی حق تلفی ہوئی ہے یا کسی کا مال غصب کیا ہے یا اللہ کے احکامات میں کہیں غفلت اور کوتاہی تو نہیں ہو رہی، کہیں اپنی صلاحیتوں اور دولت کی فراوانی پر نازاں تو نہیں ہو رہے، کسی کو حقیر سمجھ کر دھتکار تو نہیں جا رہا یا کسبِ معاش میں حلال حرام کی تمیز نہ رکھی گئی ہو۔ اکثر مشاہدہ میں آیا ہے کہ رشوت، سود خوری اور حرام کمائی سے گھر اجڑ جاتے ہیں، لوگ بے آسرا اور دوسروں کے دستِ نگر ہو جاتے ہیں اور کئی امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں، چناں چہ علمائے کرام کے اقوال، ملفوظات، ذاتی مشاہدات اور تجربات اس کتاب میں شامل کیے جا رہے ہیں، تاکہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حسب معمول ایک صبح مدرسہ تشریف لے گئے، وہاں ذہنی صلاحیتیں اچانک ماند پڑ گئیں، کسی کام میں طبیعت نہ لگے، سوچنے لگے آج نہ جانے کسی کی حق تلفی ہوئی ہے کہ ذہن بالکل ماؤف ہو گیا ہے، اچانک خیال آیا، اہلیہ نے پڑوس میں جاتے وقت تاکید کی تھی کہ مرغیوں کو ڈربے سے نکال کر دانہ دے کر مدرسہ جائیے گا اور وہ مرغیوں کو دانہ ڈالنا بھول گئے، چناں چہ حضرت واپس گھر تشریف لائے، مرغیوں کو ڈربے سے نکالا اور جب دانہ ڈال کر مدرسہ پہنچے تو ذہن بہ خوبی کام کرنے لگا۔ ایک طالب علم نے حضرت سے شکایت کی کہ مولوی صاحب! مجھے سبق یاد نہیں ہو رہا۔ آپ نے فرمایا: بیٹا! گناہ چھوڑ دو سبق یاد ہونے لگے گا۔ سفر معراج کے موقع پر نبی ﷺ اپنی ایک قوم پر سے گزرے، جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے، کچلے جانے کے بعد وہ پھر اپنی حالت پر آ جاتے تھے، یہ سلسلہ برابر جاری تھا۔ آپ ﷺ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: ”یہ کون لوگ ہیں؟“ انھوں نے جواب دیا: ”جو فرض نمازوں سے روگردانی کرتے ہیں، ان پر یہ عذاب مسلّط کیا گیا ہے۔“ (ماخوذ کتاب ہادیٔ اعظم) اللہ ربُّ العزّت نے قرآنِ حکیم میں فرمایا:

وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (السجدة:21)

ترجمہ: اور ضرور ہم انھیں بڑے عذاب سے پہلے قریب کا عذاب چکھائیں گے، (جسے دیکھنے والا کہے) اُمید ہے کہ یہ لوگ باز آ جائیں گے۔

آج جسے دیکھو یہی کہتا نظر آتا ہے، کوئی کام نہیں ہو رہا، جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں نقصان ہو جاتا ہے۔ روزی میں برکت نہیں ہے۔ بچے بیمار رہتے ہیں، ہسپتالوں میں ڈاکٹروں کی بھاری بھرکم فیسیں دوں یا بچوں کا پیٹ پالوں، مکان کا کرایہ کہاں سے دوں، بچوں کی شادیاں کیسے کروں، ہر قدم پر رکاوٹ ہی رکاوٹ ہے۔ اللہ ربُّ العزّت فرماتے ہیں: اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو، میں تمھارے رزق میں کشادگی کی راہیں نکالوں گا، تمھیں وہاں سے رزق عطا کروں گا، جہاں تمھارے وہم و گمان میں بھی نہیں ہے۔

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار سے اپنے بندوں سے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاَنْفِقُوْا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (التغابن:16)

اتنا تو تقویٰ اختیار کر، جتنی تمھارے اندر طاقت ہے۔ تمھارے وہم و گمان میں نہیں ہے، تقویٰ کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ تمھیں پستیوں سے عزّت کی بلندیوں پر پہنچا دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایمان والوں اور متقیوں کے لیے بشارتیں ہی بشارتیں اور خوش خبریاں ہیں، چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (یونس:63-64)

ترجمہ: جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں بشارت ہے۔ اللہ کی باتوں میں تبدیلی نہیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔

سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام نے ابتلا اور مشکلات سے گزرنے کے بعد کیا بات کہی ارشادِ ربانی ہے:

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِىْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (یوسف:90)

ترجمہ: کہا گیا تو ہی یوسف ہے، کہا میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ نے ہم پر احسان کیا، بے شک جو ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ بھی نیکوں کا اجر ضایع نہیں کرتا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (الاعراف:96)

ترجمہ: اور اگر بستیوں کے لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتیں کھول دیتے، لیکن انھوں نے تکذیب کی، سو ہم نے ان کو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔

ایک اور جگہ اللہ ربُّ العزّت نے انسان کو مخاطب کر کے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ (الانفطار:6)

ترجمہ: اے انسان! تجھے کس چیز نے ربِّ کریم سے دھوکے میں ڈال دیا۔

سماعت میں نے دی، بصارت میں نے دی، کھلایا میں نے، پلایا میں نے، پہنایا میں نے، سلایا میں نے، جگایا میں نے، تجھ کو مکمل وجود بخشا تو نے ان اعضا کو میری ہی نافرمانی میں استعمال کیا۔ میں نے گفتار کے لیے تمھیں زبان دی، تم نے اس سے مخلوق کی دل جوئی کرنے، ڈھارس دینے کے بجائے دل آزاری کی، رشتوں کو توڑا۔

تم جھوٹ سے باز آ جاؤ، غیبت نہ کرو، بدنظری نہ کرو، دھوکادہی کی تجارت نہ کرو، اللہ سے ڈرو، وہ تمہارے خیالوں کو جانتا ہے، دل کے چھپے ہوئے بھیدوں سے باخبر، لمحے لمحے کی خبر رکھتا ہے، اگر تم تقویٰ اختیار کرو تو اللہ ربُّ العزّت تمہارے سارے کام آسان بنا دیں گے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق:1)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "کیمیائے سعادت" میں فرمایا ہے کہ غذاؤں کی لذّت تو بہت اٹھا چکے، ذرا فاقے کا مزا بھی چکھ کر دیکھو۔ (۲) حضرت امام ابنِ قیّم جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "گناہوں کی لذّت بہت اٹھا چکے، ذرا تقویٰ کا مزہ بھی چکھ کر دیکھو!"

آج کا انسان اسٹیٹس بنانے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مگن ہے۔ اس کو اپنی اصل منزل کا پتا نہیں، کہاں سے آیا ہے اور کہاں جانا ہے۔ وہ اسی دوڑ میں لگا ہوا ہے کہ کہیں سے زیادہ سے زیادہ دولت حاصل ہو جائے، دنیا کی ہر آسائش میسر آ جائے، مگر ہوش جب آتا ہے جب دنیا والے اس کی قبر پر مٹی ڈال کر جاتے ہیں۔ ہم صبح شام اپنے پیاروں کو دنیا سے رخصت ہوتے دیکھتے ہیں، ان میں بوڑھے بھی ہیں جوان بھی، صحت مند بھی ہیں بیمار بھی۔۔۔!

بقیہ

الرجی

ہڈی کے انفیکشن ناک کی ہڈی یا چہرے پہ دباؤ کان بند ہونا، کان اور گلے کی سوزش، ناک بہنا یا بند ہونا، چھینکیں، ناک سے سانس لینے میں دشواری، آنکھوں میں خارش اور پانی بہنا، گلے کا بار بار صاف کرنا اور نزلہ جم جانا، شدید کھانسی اور دمہ، بھاری آواز کھانسی کی وجہ سے بخار، ماموئی قلّت خوراک سے الرجی، اسلام آباد میں موجود نیشنل انسٹیٹیوٹ آف ہیلتھ (NIH) میں ہر قسم کی الرجی کا ٹیسٹ ہوتا ہے اور یہیں سے ایسے انجیکشن ملتے ہیں، جنہیں ہفتہ وار جلد پر لگایا جاتا ہے۔ یہ کورس چھ ماہ سے دو سال پہ محیط ہوتا ہے۔ الرجی کی ادویات کے سائیڈ ایفیکٹ بھی ہیں، جیسے کہ غنودگی، چہرے اور جسم پہ بالوں کا بڑھنا۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام آباد میں موجود جنگلی شہتوت بھی الرجی کی بڑی وجہ ہے، اسی لیے موسم بہار کے آغاز میں ہی الرجی کے مریض اسلام آباد سے کراچی یا لاہور چلے جاتے ہیں اور دو یا تین ماہ بعد واپس آ جاتے ہیں، کیوں کہ جب پودوں کی پولینیشن کا عمل ختم ہو جاتا ہے تو الرجی کا زور بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

آج سے سوڈیڑھ سو سال پہلے چند ایک بیماریاں موت کا سبب بنتی تھیں۔ گردن توڑ بخار، دل کا دورہ، طاعون، جذام اور تپ دِق، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وقت دورِ جدید کی بیماریوں کا کوئی وجود نہیں تھا، بلکہ سائنس اس قدر ترقی یافتہ نہیں تھی کہ ان کی تشخیص کر پاتی۔ آج اگر ڈاکٹرز مریض کو ٹیسٹ کی لمبی فہرست تھما دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ ان ٹیسٹ سے ایک بیماری کی تشخیص کی جا سکے اور صحیح دوا تجویز کر کے بیماری کا خاتمہ کیا جا سکے۔ پہلے بھی لوگ ذیابیطس، کینسر، ایڈز اور دیگر بیماریوں کی وجہ سے جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے، مگر کوئی تشخیص یا دوا نہ ہونے کی وجہ سے کہا جاتا تھا کہ بس اس کا وقت پورا ہو گیا تھا۔ آج اللہ کا شکر ہے کہ سائنس نے ایسے آلات اور کیمیکلز بنا لیے ہیں، جو نہ صرف تشخیص میں مدد دیتے ہیں، بلکہ علاج بھی کرتے ہیں۔

مسز احمد کو پچھلے دس سال سے فوڈ الرجی ہے۔ کبھی کبھار انھیں کسی سبزی یا پھل کے کھانے سے الرجی ہو جاتی ہے، جس کی وجہ سے ان کا منہ پھول جاتا ہے۔ زبان بھاری ہو جاتی ہے اور آنکھوں سے پانی جاری ہو جاتا ہے اور اینٹی الرجی انجیکشن لگوانے کے بعد ہی ان کی حالت میں افاقہ ہوتا ہے۔ انوار صاحب پاکستان میں تھے، جب انھیں ڈسٹ الرجی ہوئی، صبح اٹھتے ساتھ انھیں چھینکیں آنا شروع ہو جاتی ہیں اور کان اور گلے میں شدید سوزش ہوتی ہے، پھر وہ روزگار کے سلسلے میں انگلینڈ چلے گئے تو یہ الرجی بڑھتی گئی اور انھیں دمہ ہو گیا۔ اب جب کبھی وہ سٹرلیس فیلی کا کوئی بھی فروٹ کھاتے ہیں یا خشک میوہ جات تو ان کا منہ پک جاتا ہے اور شدید بخار ہو جاتا ہے۔ دو تین بار تو دمہ کا اٹیک اس قدر شدید تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ ڈاکٹر نے انھیں ان ہیلر تجویز کیا اور گھر سے تمام کارپٹ اور قالین اٹھا دینے کا کہا، کیوں کہ کارپٹ اور قالین میں مٹی کے ذرّات اور لیٹکس کی وجہ سے الرجنز ہوتے ہیں۔

مسز خالد کو پولن الرجی ہے، جب کبھی موسم تبدیل ہوتا ہے تو ان کے ناک کان میں سوزش ہوتی ہے۔ آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے اور کبھی کبھار چہرے کا کوئی حصہ جیسے ہونٹ، آنکھ یا گال سوج جاتے ہیں۔ الرجسٹ نے انھیں اینٹی الرجی ادویات تجویز کی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ ان گولیوں کی وجہ سے ہر وقت غنودگی محسوس کرتی ہیں، لیکن مجبوری ہے اگر وہ یہ گولیاں نہ لیں تو چھینکوں کی وجہ سے وہ نہ تو ڈسٹنگ کر سکتی ہیں نہ ہی گھر کے کام۔

پچھلے سترہ سال سے الرجی کا مریض ہونے کی وجہ سے میرا ذاتی تجربہ ہے کہ اگر نہار منہ اور سونے سے پہلے کلونجی یا انجیر کے 3، 5 یا 7 دانے کھا لیے جائیں یا زیتون کے تیل یا شہد کا ایک چائے کا چمچ لے لیا جائے تو الرجی کی علامات سے بچا جا سکتا ہے۔

Representing
Summer
Vibes!
Perfect
MATIC
Perfect
MATIC
اصلي
ASLEE
Fresh Aire
معطر الجو المقنن
Metered Air Freshener
ODOR NEUTRALISER
Perfect
MATIC
رہو خوشبوؤں میں

خودکشی ایک تشویش ناک سماجی مسئلہ

سوال: گزشتہ کچھ عرصے سے وطنِ عزیز میں خودکشی کے واقعات میں تشویش ناک حد تک اضافہ دیکھنے میں آرہا ہے۔آئے دن اخبارات میں ایسی خبریں شائع ہوتی ہیں، جن میں مردوخواتین کی خودکشی کا ذکر ہوتا ہے۔ان میں بعض واقعات معاشی بدحالی، گھریلو ناچاقی، سسرال کی زیادتی یادیگر بعض پریشانیوں کی وجہ سے نمودار ہوتے ہیں۔کچھ واقعات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ قرض اور سود در سود نے ان کو سخت ذہنی تناؤ میں مبتلا کیا ہے اور ان کی ہمت جواب دے گئی۔ایسی صورتِ حال کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں اور خودکشی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ کسی بھی انسان کے لیے چاہے مسلمان ہو یا غیر مسلم، خودکشی نازیبا اور بالکل غیر مناسب عمل ہے، لیکن مسلمان کے لیے خودکشی کا ارتکاب تو مقامِ افسوس بھی ہے اور لائق حیرت بھی، کیوں کہ خودکشی کی بنیاد ایمانی کمزوری یا اس سے محرومی ہے، اس لیے کہ جو شخص خدا پر ایمان رکھتا ہو اور یقین کرتا ہو کہ باری تعالیٰ دشواریوں کی سیاہ رات کی کوکھ سے آسانی کی صبح طلوع کرسکتا ہے۔جو شخص تقدیر پر ایمان رکھتا ہو کہ خوش حالی اور تنگ دستی، آرام اور تکلیف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔صبر وقناعت مسلمان کا شیوہ ہے اور جو مسلمان عقیدہ آخرت کا قائل ہے کہ زندگی کی آزمائشوں سے تھکے مسافروں کے لیے وہاں سامانِ راحت کا ایسا شاندار انتظام ہے کہ آنکھیں ٹھنڈی اور روح نہال ہو جائے گی۔وہ کیسے مشکل گھڑیوں میں اللہ کی چوکھٹ پر اپنی پیشانی رکھنے یا بارگاہِ ربانی میں دستِ سوال دراز کرنے اور رحمتِ خداوندی سے امیدوار ہونے کی بجائے مایوس ہو کر اپنے آپ کو ہلاک کرسکتا ہے!!

مفتی محمد توحید

مسائل پوچھیں اور سیکھیں

دراصل ایک مسلمان آخرت کی زندگی سے غافل ہو کر اس طرح کے جرم کا ارتکاب کرتا ہے کہ خودکشی کرکے میری جان چھوٹ جائے گی، حالاں کہ آگے چل کر مسائل اور مصائب کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

انسان اپنی زندگی کا خود مالک نہیں، بلکہ امین ہے۔یہ زندگی انسان نے خود حاصل نہیں کی، بلکہ اسے دی گئی ہے اور ممکنہ حد تک اس زندگی کی حفاظت انسان کی ذمے داری ہے۔یہی وجہ ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نے بیمار ہونے کی صورت میں لوگوں کو علاج ومعالجے کا حکم دیا ہے اور خود آپ ﷺ نے بھی اپنا علاج کرایا ہے، اس لیے علماء کرام نے علاج کو سنت قرار دیا ہے اور فرمایا کہ علاج کرانا توکل کے خلاف نہیں ہے، یاد رکھنا چاہیے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام توکل اور قناعت کے اعلیٰ درجے پر فائز تھے، وہ اپنا علاج بھی کراتے تھے اور حفظانِ صحت کے اصول کی رعایت بھی کرتے تھے۔کوئی بھی عمل جو انسانی صحت کے لیے نقصان دہ ہو اور انسانی زندگی کو خطرے میں ڈال سکتا ہو، جائز نہیں ہے۔نشہ آور اشیاء سے اس لیے تو منع فرمایا گیا ہے کہ اس سے انسان کی عقل وفہم پر زد پڑتی ہے اور اس سے بہت سے اخلاقی مفاسد پیدا ہوتے ہیں۔

اسلام عباداتِ الٰہی میں ایسے غلو کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اپنی صحت برباد کرے۔حضور ﷺ کے زمانے میں بعض حضرات نے یہ معمول بنالیا تھا کہ رات بھر عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے اور دن میں روزہ رکھتے۔حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے اسے منع کرتے ہوئے فرمایا: تم پر تمہاری آنکھ کا حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی حق ہے۔تمہارے جسم کا حق ہے، اس لیے کبھی روزہ رکھو اور کبھی نہ رکھو، نماز بھی پڑھ لیا کرو اور سونے کا اہتمام بھی کرلیا کرو۔حضور ﷺ کو جب اس کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے نقطہ نظر کو درست فرمایا۔

ان تمام تفصیلات سے معلوم ہوا کہ جب انسان پر جان کی حفاظت ضروری ہے تو اس کو ضائع کرنا اور اس کا قتل کرنا حرام ہے۔جب دوسرے انسان کو قتل سے سختی سے روکا گیا ہے کہ جس نے مومن کو جان بوجھ کر قتل کیا اس کا ٹھکانا جہنم ہے (القرآن) تو اپنے آپ کو قتل کرنا بدرجہ اولیٰ حرام اور جہنم میں لے کر جانے کا سبب بنے گا۔

خودکشی ایک ایسا گناہِ کبیرہ اور جرم عظیم ہے جو انسان کو دنیا سے بھی محروم کردیتا ہے اور آخرت سے بھی! خود قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ نے بھی خودکشی سے منع کرتے ہوئے فرمایا: وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (النساء: 29) خودکشی نہ کیا کرو!

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے نہایت سختی اور تاکید کے ساتھ خودکشی سے منع فرمایا ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہاڑ سے گرا کر خودکشی کرلی، وہ جہنم کی آگ میں ہمیشہ اسی طرح گرتا رہے گا اور جس شخص نے لوہے کے ہتھیار سے خود کو ہلاک کردیا وہ دوزخ میں بھی ہمیشہ اپنے پیٹ میں ہتھیار گھونپتا رہے گا۔(بخاری)

ایک اور روایت میں ہے کہ گلا گھونٹ کر خودکشی کرنے والا جہنم میں ہمیشہ گلا گھونٹتا رہے گا اور اپنے آپ کو نیزہ مار کر ہلاک کرنے والا دوزخ میں ہمیشہ اپنے آپ کو نیزہ مارتا رہے گا اور خود کو ہلاک کرتا رہے گا۔(بخاری)

ان احادیث سے یہ بات معلوم ہورہی ہے کہ انسان نے جس چیز کو استعمال کرکے خود کو ہلاک کردیا اللہ تعالیٰ اسی چیز کو اس کے لیے ہمیشہ عذاب کا ذریعہ بنا کر ایسا پریشان کردے گا

کہ کبھی بھی اس کا غم اور پریشانی ختم نہیں ہوگی۔

صحیح مسلم میں بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اور صاحب نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ وہ دوسرے صاحب بیمار پڑ گئے ۔تکلیف کی شدت کے باعث ان سے صبر نہیں ہوسکا اور ایک ہتھیار سے اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے، رگیں کٹ گئیں اور خون اتنا بہ گیا کہ انتقال کر گئے۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے ان کو خواب میں دیکھا کہ وہ بہتر حالت میں ہیں، لیکن ان کے ہاتھ ڈھکے ہوئے ہیں۔ پوچھنے پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہجرت کی وجہ سے مجھے معاف کر دیا، لیکن میرے ہاتھوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ جس چیز کو تم نے خود بگاڑ لیا ہے میں اسے درست نہیں کروں گا۔ حضرت طفیل رضی اللہ عنہ نے یہ خواب حضور ﷺ سے عرض کیا، آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ! ان کے ہاتھوں کو بھی معاف فرمادیں۔

حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم سے پہلی قوموں میں ایک شخص کو زخم تھا، وہ تکلیف برداشت نہ کرسکا، چھری لی اور اس نے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ خون تھم نہ سکا اور موت واقع ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے اپنی ذات کے معاملے میں مجھ پر سبقت کرنے کی کوشش کی، اس لیے میں نے اس پر جنت حرام کر دی۔ (بخاری و مسلم)

حضور ﷺ کے ان ارشادات سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ خودکشی اسلام میں ایک عظیم اور سنگین جرم ہے۔ بظاہر تو انسان مسائل و مشکلات سے راہِ فرار اختیار کرتا ہے، لیکن یہ انسان کی غلط فہمی اور ناسمجھی ہے۔ درحقیقت اس انسان نے خود کو ہمیشہ کے لیے پریشانیوں کے ایک لامتناہی سلسلے میں مبتلا کر دیا۔

خودکشی کرنے والی کی نمازِ جنازہ کا حکم

بلاشبہ خودکشی گناہِ کبیرہ اور جرمِ عظیم ہے، مگر شریعت نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ عوام کے لیے ضروری ہے کہ نمازِ جنازہ پڑھیں اور اس کے بغیر تدفین ہرگز نہ کریں، کیوں کہ حدیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی نمازِ جنازہ تم پر لازم ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد ہو، تاہم مذہبی مقتداء اور دین کے خواص اور اہم دینی شخصیات بطورِ عبرت اور بطورِ زجر اس قسم کے نمازِ جنازہ میں شرکت نہ کریں، تاکہ لوگ اس طرح کے عمل سے آئندہ احتیاط کرے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ خودکشی کا اقدام ناجائز اور حرام ہے، چوں کہ بعض سادہ فہم اور دین سے بے خبر لوگ اس سے ناواقف ہیں، اس لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ خودکشی کے اخلاقی، سماجی، اخروی اور دنیوی نقصانات لوگوں کے سامنے بیان کی جائیں۔ معاشرے میں خاص کر نوجوان نسل کی اس حوالے سے ذہن سازی کا خاص اہتمام کیا جائے۔ عوام میں دینی شعور پیدا کیا جائے کہ وہ تنگ دستوں اور مقروضوں کے ساتھ نرمی اور تعاون کا سلوک کریں۔ گھر اور خاندان میں پیار و محبت کی فضاء قائم کی جائے۔ رسم و رواج کی جن زنجیروں نے سماج کو جکڑ رکھا ہے، ان کی اصلاح کی جائے۔ شادی بیاہ کے معاملات کو آسان بنایا جائے اور جو لوگ ذہنی تناؤ اور مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں، اُن میں اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کا جذبہ، صرف اسی سے اپنی امیدیں وابستہ کرنے کا شعور، قناعت اور صبر و شکر والی زندگی جینے کی ہمت اور مسائل و مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ پیدا کیا جائے۔

موبائل فون میں قرآنی آیات وغیرہ بھروانے کا حکم

سوال: موبائل فون میں رنگ ٹون کی جگہ قرآنی آیات اور نعت بھروانے کا کیا حکم ہے؟

جواب: واضح رہے کہ بقول اہل اللہ موبائل فون ایک سہولت بھی ہے اور ایک عظیم امتحان اور آزمائش بھی! جدید ایجادات کی دنیا میں موبائل فون کا وجود ایک انقلاب آفرین اقدام ہے جو دودھاری تلوار کی مانند بیک وقت پیغام رسانی کے اعتبار سے سہولت کا ایک عظیم شاہکار بھی ہے اور انسانیت کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنے اور معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کا بیج بونے کی ایک حیرت انگیز مثال بھی ہے۔ بچوں سے لے کر بوڑھوں تک اور مردوں سے لے کر عورتوں تک حتیٰ کہ مال دار اور غریب ہر ایک کے پاس موبائل موجود اور اسی سے اپنے ذوق کی تسکین میں مبتلا ہے۔ جہاں یہ سہولت کی دنیا میں خلقِ خدا کے لیے ایک ضرورت ہے، دوسری طرف یہ ہمارے معاشرے کے لیے فساد کی جڑ ہے جو اخلاقی بگاڑ میں ایک گھناؤنا کردار ادا کر رہا ہے۔ حیاسوز ویڈیوز، موسیقی، فلمیں، ڈرامے، عریاں اور نیم عریاں تصاویر اور ہر قسم کی فحاشی پھیلانے میں یہ آلہ سرِفہرست ہے۔ ضروری ہے کہ اس کو احتیاط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔ گھر کے سربراہوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں اور نوجوانوں کی نگرانی کریں۔

آج کل رنگ ٹونز کی جگہ موسیقی اور گانے لگائے جاتے ہیں، جبکہ بعض لوگ موبائل فون پر اذان، قرآنی آیات، نعتیں، اذکار اور دعائیہ کلمات بطورِ رنگ ٹونز کے لگاتے ہیں۔ جہاں تک رِنگ ٹونز کے طور پر موسیقی کا استعمال ہے، اس کے عدمِ جواز میں تو کوئی شک نہیں، بلکہ فقہی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنی آیات، ذکر و تسبیح، درود شریف وغیرہ کے کلمات اور ایسی نظمیں یا نعتیں جو ذکر اللہ پر مشتمل ہوں، کو بھی موبائل فون میں بطورِ رِنگ ٹونز کے استعمال کرنا شرعاً درست نہیں ہے، اس میں کئی خرابیاں ہیں۔

1. اچانک فون اٹھانے کی صورت میں قرآنی آیات درمیان میں کٹ جاتی ہیں جس سے آیات کی بے حرمتی ہوتی ہے۔
2. دوسری خرابی یہ لازم آتی ہے کہ جس شخص کو فون کیا گیا ہے، بسا اوقات وہ بیت الخلاء میں ہوتا ہے تو فون آنے پر ایسی حالت میں مذکورہ مقدس کلمات کے الفاظ کے موبائل فون پر جاری ہونے میں بے ادبی ہوگی۔
3. اگر ان کلمات سے مقصود اطلاع دینا ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے فون آنے کی اطلاع حاصل ہو تو اس مقصد کے لیے مذکورہ کلمات استعمال کرنا مکروہ ہے۔
4. فون کرنے والا شخص اگر کسی کو فون کرے اور اس نے اپنے موبائل میں قرآنی آیات کی ریکارڈنگ لگا رکھی ہے اور اس کے فون اٹھانے کی صورت میں آیت درمیان میں کٹ جاتی ہے جو کہ ادب کے خلاف ہے۔
5. اگر کسی شخص نے گانے کی ریکارڈنگ اپنے فون میں لگا رکھی ہے اور فون کرنے والے شخص کے کان میں اس کی آواز جائے گی جس سے گناہ ہوگا، اس لیے رِنگ ٹونز کے طور پر میوزک لگوانے سے بھی اجتناب کیا جائے اور قرآنی آیات اور دیگر مقدس کلمات کو بھی اس غرض کے لیے استعمال نہ کئے جائیں۔

یثرب کے ایک قبیلے کا نام بنو سلمہ تھا۔اس کے سردار عمرو بن جموح تھے۔ یہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے، لیکن ان کی بیوی اور تینوں بیٹے مسلمان ہو چکے تھے۔ عمرو کو اس بات کا علم نہ ہو سکا کہ ان کے گھر کے تمام لوگ مسلمان ہو گئے ہیں۔

ایک دن عمرو نے اپنے بیٹے معاذ کو مصعب بن عمیر سے باتیں کرتے دیکھا تو انھوں نے گھر آ کر اپنی بیوی ہند سے کہا:

"تمہیں اپنے بیٹوں کا خیال رکھنا چاہیے، کہیں یہ نہ ہو کہ وہ مصعب بن عمیر کی باتوں میں آ کر اپنے باپ دادا کا دین چھوڑ دیں!"

بیوی نے کہا: "آپ کا حکم سر آنکھوں پر، لیکن کیا آپ وہ بات سننا پسند کریں گے جو آپ کے بیٹے معاذ نے مصعب بن عمیر سے سنی ہے؟"

عمرو بن جموح غصے سے بولے: "اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ میرا بیٹا اپنے دین کو چھوڑ چکا ہے اور مجھے اس کا علم بھی نہ ہو سکا!"

ان کی بیوی نے فوراً کہا: "یہ ضروری نہیں کہ جو مصعب سے ملے، وہ اس کا دین بھی مان لے۔ ہمارے بیٹے معاذ نے مصعب کو ایک محفل میں جو بات بیان کرتے سنا اسے یاد کر لیا۔ آپ ذرا سنیں تو سہی کہ آخر یہ شخص لوگوں کو کیا سکھا رہا ہے۔"

"ہمیں اس شخص کا علاج کرنا پڑے گا۔" وہ غصے سے بولے، پھر اپنے بیٹے کو آواز دینے لگے۔

بیٹے نے آ کر ان کے کہنے پر وہ باتیں سنائیں جو مصعب بن عمیر نے بیان کی تھیں۔ ان میں سورۂ فاتحہ بھی تھی۔ سورہ فاتحہ سن کر وہ کہنے لگے: "یہ تو بہت عمدہ کلام ہے! کیا اس کی ہر بات اس طرح کی ہوتی ہے؟" معاذ نے کہا: "اس سے بھی شاندار ابا جان! ایسی ہی باتیں سن کر تو سارے لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ کیا آپ ان پر ایمان نہیں لائیں گے؟"

بیٹے کی بات سن کر وہ تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر بولے: "دین بدلنا کوئی چھوٹی بات نہیں بیٹا! یہ کام بڑی سوچ سمجھ کا ہے، اس لیے میں اپنے معبود سے مشورہ لیے بغیر ایسا نہیں کر سکتا۔"

بیٹے نے کہا۔ "لیکن ابا جان! آپ کا معبود تو ایک لکڑی کا بت ہے، اس سے آپ کیسے مشورہ کریں گے؟"

باپ غصے سے بولا: "تم میرے معبود منات کی توہین نہ کرو اور میرا فیصلہ اچھی طرح سن لو، جب تک میں اس سے مشورہ نہیں کر لیتا، اپنا دین نہیں چھوڑوں گا!"

معاذ نے دیکھا کہ ان کے والد سیدھے وہاں سے اپنے بت منات کے پاس گئے ہیں۔

اس زمانے میں قبیلوں کے سرداروں نے اپنے بت علیحدہ سے بنا رکھے تھے۔ وہ انھیں گھر کے کسی خاص حصے میں رکھتے تھے۔ معاذ نے اپنے والد کو منات کے پاس دیکھا، وہ اس سے پوچھ رہے تھے کہ کیا وہ مصعب بن عمیر کی باتوں پر ایمان لے آئیں، لیکن جب بت نے کوئی جواب نہیں دیا تو بڑے افسردہ ہوئے اور اس سے معافی مانگتے ہوئے کہنے لگے۔

"میرے پیارے منات آپ ناراض نہ ہوں، میں آئندہ ایسی کوئی بات آپ سے نہیں کروں گا۔"

معاذ یہ منظر دیکھ کر سمجھ گئے کہ اب ان کے والد ایمان نہیں لائیں گے۔ وہ افسردہ دل کے ساتھ اپنے بھائیوں کے پاس گئے۔ ان کے بھائیوں کے نام معوّذ اور خلاد تھے۔

تینوں بھائیوں کو جب کوئی راستہ نہ سوجھا تو وہ اپنے دوست معاذ بن جبل کے پاس پہنچے۔ چاروں دوست آپس میں مشورہ کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچے کہ جب تک منات کا خوف بڑے میاں کے دل سے نہیں نکلتا، وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ آخر انھوں نے اس مسئلے کو حل کرنے کی ایک ترکیب نکال ہی لی۔

ایک رات عمرو کے گھر سے تین سائے نکلے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے ساتھ ایک اور سایہ آن ملا۔ ان سب کا رُخ گندگی کے ایک گڑھے کی طرف تھا۔

باوقار شرارت

دانیال حسن چغتائی

ان چاروں نے ایک لمبی سی بھاری چیز بھی اٹھا رکھی تھی۔ اسے انھوں نے گندگی کے گڑھے میں پھینک دیا اور واپس چل دیے۔ انھیں یہ کام کرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

صبح ہوئی تو عمرو اپنے بت کی پوجا کرنے اس کے پاس پہنچے، لیکن وہ سخت حیران ہوئے۔ ان کا بت منات اپنی جگہ سے غائب تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ منات خود تو کہیں نہیں جا سکتا۔

تو پھر کس نے اسے غائب کیا؟ وہ اپنے دل سے پوچھنے لگے۔ گھر والوں سے پوچھا تو انھوں نے بھی یہ کہا کہ ”بھلا ہم آپ کے بت کے بارے میں کیا بتا سکتے ہیں؟“ آخر وہ اسے تلاش کرنے نکلے۔

پوچھتے پوچھتے وہ گندگی کے گڑھے تک جا پہنچے۔

کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا بت سر کے بل گندگی میں پڑا ہوا ہے، انھیں شدید غصہ آیا۔ بت کو باہر نکالا اور اچھی طرح دھو کر اسے واپس گھر لے آئے۔

خوش بو لگا کر اسی جگہ رکھا، جہاں سے اٹھایا گیا تھا، پھر اس سے مخاطب ہو کر کہنے لگے۔

”خدا کی قسم! اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمہارے ساتھ یہ حرکت کس نے کی ہے تو میں اسے بہت ذلیل اور رسوا کروں۔“ انھوں نے اپنے طور پر معلوم کرنے کی کوشش بھی کی، لیکن کچھ سراغ نہ لگا کہ یہ حرکت کس کی تھی۔

رات ہوئی تو پھر ان کے گھر سے چار سائے نکلے اور گندگی کے ڈھیر تک آئے۔ کل کی طرح انھوں نے پھر ایک چیز کو گندگی میں پھینکا اور خاموشی سے واپس ہو گئے۔

اگلی صبح عمرو کا بت پھر اپنی جگہ سے غائب تھا، وہ بہت سٹپٹائے۔ اب انھیں خود شرم محسوس ہو رہی تھی کہ وہ گھر والوں کو کیا بتائیں کہ ان کا معبود آج پھر غائب ہو گیا ہے، وہ خود ہی خاموشی سے باہر نکلے۔ آج پھر تلاش کرتے ہوئے کل والی جگہ پر گئے۔ منات وہیں موجود تھا اور اسی طرح گندگی سے لتھڑا ہوا تھا۔ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے اسے باہر نکالا اور نہلا دھلا کر واپس اپنی جگہ پر رکھا۔ اگلے دن پھر یہی معاملہ ہوا، پھر تو معمول ہی بن گیا۔ وہ صبح اٹھتے اور منات کو اپنی جگہ سے غائب پاتے۔ سیدھے گندگی کے ڈھیر میں جاتے اور وہ انھیں وہیں گندگی میں اوندھے منہ گرا مل جاتا، جب چھٹی دفعہ وہ اسے گھر لائے تو سخت پریشان ہو چکے تھے۔ انھوں نے اپنی تلوار منات کے گلے سے لٹکائی اور بولے:

”اے میرے منات! مجھے تو علم نہیں کہ تیرے ساتھ یہ سلوک کون کرتا ہے؟ اگر تم میں ہمت ہے تو خود اپنا دِفاع کرو، یہ تلوار تمہارے حوالے کیے جا رہا ہوں۔“

عمرو یہ کہہ کر جب واپس لوٹ رہے تھے تو دل میں سوچ رہے تھے کہ اب بھی اگر منات نے اپنی حفاظت نہ کی تو پھر مصعب بن عمیر کا کہنا ٹھیک ہی ہو گا کہ یہ معبود محض لکڑی یا پتھر کے بُت ہیں جو کسی کو فائدہ دے سکتے ہیں نہ نقصان!

ادھر رات ہوئی اور عمرو گہری نیند سوئے تو وہی پُراسرار سائے پھر حرکت میں آئے۔

انھوں نے روز کی طرح آج بھی منات کو وہاں سے اٹھایا اور گھر کے باہر لے گئے۔ معمول کے مطابق جب ان کا چوتھا ساتھی ان کی مدد کو آیا تو وہ رسی سے بندھی ایک چیز کو گھسیٹ رہا تھا۔ رَسّی کے ساتھ ایک مردہ کتا بندھا ہوا تھا۔ انھوں نے مرا ہوا کتا منات کے گلے میں لٹکایا اور اسے ایک پرانے کنویں میں پھینک آئے۔ بنو سلمہ قبیلے کے لوگوں نے اس کنویں سے پانی نکالنا بند کر دیا تھا اور اب وہ اس میں کوڑا کرکٹ پھینکتے رہتے تھے۔ کام سے فارغ ہو کر چاروں سائے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

صبح ہوئی تو عمرو جلدی سے اپنے بت کی طرف گئے کہ دیکھیں آج بھی وہ غائب ہے یا اس نے اپنی بے عزّتی کرنے والے سے بدلہ لے لیا ہے، لیکن بت کو اپنی جگہ نہ پا کر انھیں بہت مایوسی ہوئی۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے ایک دفعہ پھر اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ کئی گھنٹوں کی تلاش کے بعد آج انھوں نے منات کو گندے کنویں میں دیکھا تو انھیں پہلی مرتبہ بت پر سخت غصہ آیا۔ اس کے گلے میں مردہ کتے کو دیکھ کر انھیں بت سے شدید نفرت ہوئی۔ منات کو مخاطب کرتے ہوئے بولے:

”خدا کی قسم! اگر تو واقعی معبود ہوتا تو تیرے ساتھ یہ سلوک کبھی نہ ہوتا تو اپنی حفاظت نہیں کر سکا تو میرے کیا کام آئے گا؟ تم ٹھیک جگہ پہنچ گئے ہو۔ اب اس بدبودار کتے کی لاش کے ساتھ یہیں رہو۔“

اور آج وہ اسے وہیں چھوڑ کر واپس آ گئے۔ گھر پہنچے تو ان کے تینوں بیٹے ان کا انتظار کر رہے تھے۔ باپ کو منات کے بغیر دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

ان کی بیوی نے پوچھا: ”اللہ آپ کے دشمنوں کو برباد کرے۔ آج منات کے بغیر ہی گھر واپس آ گئے؟“

عمرو بولے: ”وہ بے کار بت اپنی ٹھیک جگہ پر پہنچ کر مصعب بن عمیر اور اس کی باتوں پر گیا ہے۔ ایمان لانے والے بالکل ٹھیک کہتے ہیں، یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ آؤ ہم اس نئے دین کو قبول کر کے مسلمان ہو جائیں۔ خدا کی قسم! میں ان بتوں سے بے زار ہو گیا ہوں۔“

ان کے بیٹوں اور بیوی نے گھر کے سربراہ کے منہ سے یہ الفاظ سنے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ تینوں بیٹے انھیں مصعب بن عمیر کے پاس لے گئے، جہاں عمرو بن جموح نے کلمہ پڑھ کر اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دی اور حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا اقرار کیا۔ باپ کے مسلمان ہونے کے بعد تینوں بھائی اپنے دوست معاذ بن جبل کے پاس پہنچے۔ وہ آج بہت خوش تھے۔

دراصل وہ تین سائے جو منات کو گندگی میں پھینکتے تھے۔ عمرو بن جموح کے یہی تین بیٹے معاذ، معوّذ اور خلاد رضی اللہ عنھم تھے۔ ان کے چوتھے ساتھی حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ تھے، جنھوں نے آخری دن منات کے گلے میں مردہ کتے کو لٹکایا تھا۔ یہ ساری ترکیب انھوں نے اس لیے لڑائی تھی کہ ان کے بوڑھے باپ کو معلوم ہو کہ یہ بت کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ تو بے جان چیزیں ہیں، لیکن انھوں نے ساری زندگی اپنے باپ کو یہ نہیں بتایا کہ یہ ان کے بیٹے ہی تھے، جنھوں نے ان کے بت کے ساتھ شرارت کی تھی۔

NEW Zaiby Jewellers CLIFTON
Augmented
WITH MAGNIFICENCE
A trusted name in jewellery since 1974
50 years
OF EXCELLENCE
NEWZAIBYJEWELLERS
S-11, YOUSUF GRAND SQUARE,
BLOCK 8, CLIFTON, KARACHI
021 35835455
021 35835488

میں نے ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی گیند کو ہاتھ بڑھا کر اُچک لیا اور اسے کھیلتے ہوئے بچوں کی طرف اُچھال کر مشرقی کارنر میں رکھے بنچ کی طرف بڑھایا۔ ”السلام علیکم! آپ جس رُخ پر بیٹھی ہیں، ادھر سے گیند آپ کو لگ سکتی تھی۔“

”وعلیکم السلام! میں دیکھ نہیں سکتی۔“ میں بنچ کی خالی جگہ پر ٹک گئی۔ اوہ! مجھے دِلی افسوس ہوا تھا۔ وہ 17,18 سال کی دکھائی دیتی تھی۔ سرخ و سفید رنگت، چہرے پہ پھیلی گہری معصومیت، ہلکے گلابی دوپٹے کو شانوں کے گرد پھیلائے مزید بولی بھالی معلوم ہو رہی تھی۔ ”کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتی ہوں؟ اچھی لڑکی!“

”ذائرہ“ اس نے یک لفظی جواب دیا۔ ساتھ ہی اس کے چہرے پر ناگواری پھیل گئی۔ (اب یہ بھی میرے دل کی پرواہ کیے بغیر لوگوں کی طرح کُرید کُرید کر سوالات کرے گی اور ترحّم بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے ترس کھاتے جملے بولے گی۔) میں اس کے تاثرات کو بغور جانچتے ہوئے مسکرا دی۔

”آپ کو پہلے کبھی پارک میں نہیں دیکھا؟“ اس کے چہرے پر حیرانی اُبھری۔ (اندازہ جو غلط ثابت ہو گیا) ”میں صبح آتی ہوں اور آپ شاید شام کے وقت۔۔۔ تو کیسے دیکھتی؟“ جلد ہم گھل مل گئے۔ ایک حادثے نے اس کی بینائی چھین لی تھی تو اک حادثے نے میرے والد صاحب کو نگل لیا تھا۔ دنیا میں کوئی بھی کامل نہیں۔ قدرت نے ہر کسی میں کوئی نہ کوئی محرومی کا پہلو رکھا ہے۔ اس شام واپسی پر یہ آخری بات میرے ذہن میں گردش کر رہی تھی۔

رنگ امیدوں کے

انیسہ عائشہ

میں اپنی دن بھر کی تھکاوٹ اتارنے کے لیے پارک میں چلی آتی تھی تو وہ اپنے دل کی ویرانی کو کم کرنے کے لیے آ موجود ہوتی۔ چند ہی دنوں میں ہماری اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔ مجھے اس پیاری لڑکی کی معصوم باتیں، چھوٹی چھوٹی خواہشات کو سننا اچھا لگتا تھا تو اسے میرا اس کی محرومی کے بارے میں نہ کُریدنا اور نارمل انسانوں کی طرح برتاؤ کرنا پسند تھا۔ وہ لوگوں کے رویّوں سے دل برداشتہ تھی۔ اب ہم دونوں بلا ناغہ پارک آنے لگے تھے۔ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر گوڑی سہیلیوں کی طرح پورے پارک میں چہل قدمی کرتے۔ اس کے ساتھ ہمہ وقت مددگار لڑکی اس سارے وقت میں بینچ پر بیٹھی اونگھتی رہتی۔ زائرہ درختوں کی چھال اور پتوں کی سطح کو ہاتھ سے چھو چھو کر محسوس کرتی، بہتے پانی کی دھار کو انگلیوں کے درمیان سے گزرتا محسوس کرتی، پھولوں کی نرم پتیوں کو انگلیوں کے پوروں سے چھوتی، چہرے کو قریب کر کے خوش بو اندر اتارتی اور کبھی کبھی بے اختیار جب اس کے گلابی لب گلاب کی پتیوں کو چھوتے تو دونوں میں فرق کرنا مشکل ہو جاتا۔ ذائرہ کی بہت سی چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں، جو میرے لیے بالکل بے معنی سی تھیں۔ اس کے ساتھ گزرے وقت میں بہت سی ایسی چیزیں میرے مشاہدے میں آئیں، جن کو میں نے اتنے سالوں سے کبھی قابلِ اعتنا ہی نہیں جانا تھا۔ میں یہ سب خوش گوار حیرت میں گھری خاموشی سے دیکھے جاتی۔ وہ اپنی آنکھوں میں بسے مستقل ایک ہی رنگ سے نجات پانا چاہتی تھی۔ زائرہ کی شدید خواہش تھی رنگوں کو دیکھنے کی، وہ رنگ برنگی روشنیوں کو نظروں میں اتارنا چاہتی تھی، وہ اپنا پینٹنگ باکس لے آتی اور صفحے کی سطح کو ٹٹول ٹٹول کر تصاویر بناتی، ان میں رنگ بھرتی۔ کبھی پُرجوش بہت گہرے گہرے رنگ بھرتی چلی جاتی اور پھر ان کو چھو چھو کر دیکھتی، جیسے کہ رنگوں کو محسوس کر رہی ہو۔ جب وہ غمگین ہوتی تو میں اسے ہنساتی، مزاحیہ باتیں کرتی۔ سچ تو یہ تھا کہ اس کی اُداسی مجھے بالکل بھی اچھی نہیں لگتی تھی۔

آج وہ خلافِ معمول بہت تلخ ہو رہی تھی۔ کتھارسس کی خاطر آج میں خاموشی سے اسے سنتی رہی۔ ”یہ دنیا بے حس لوگوں سے بھری پڑی ہے، اعتبار کے قابل بہت کم لوگ ہیں، ہر کوئی خود غرض۔۔۔“ میں اسے تسلی کے لیے جملے ترتیب دے رہی تھی کہ آواز آئی۔ ”اوہو! راحیلہ تم یہاں ہو۔ تمہاری سائیکالوجی کی بک میرے پاس ہے، لو! اسے سنبھالو۔ تمہیں بہت شوق ہے دوسروں کی سائیکی سمجھنے کا، بڑی آئی ماہر نفسیات!“ سائرہ آندھی کی طرح آئی اور چلی گئی۔ میں نے بوکھلا کر زائرہ کو دیکھا، وہاں شدید بدگمانی رقم تھی۔ ”تو میں آپ کا صرف ایک سائیکو کیس تھی اور میں آپ کو بے غرض اور سچی انسان سمجھتی رہی۔“ زائرہ نے چلا کر کہا اور اپنی مددگار لڑکی کے ساتھ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی غائب ہو گئی۔

”زائرہ میری بات سنو! تم غلط سوچ رہی ہو، رکو تو۔۔۔“ میں اسے پکارتی رہ گئی۔ میں نے معمول کے مطابق پارک میں آنا جاری رکھا، مگر زائرہ اس دن کے بعد کبھی پارک نہیں آئی۔ وہ پہلے ہی لوگوں سے بددل تھی، اب مزید بدگمان ہو گئی ہو گی۔ اسے کتنا دکھ ہوا ہو گا، ہر دن کی واپسی پر میرا ملال بڑھ جاتا۔ اس کی بے رنگ زندگی میں، میں مزید اندھیرے کا باعث بنی تھی، یہ احساس مجھے کچوکے لگاتا۔

وہ لڑکی کار سے بچتے بچتے موٹر سائیکل کی ضد میں آ گئی تھی، میں بھاگ کر اس کے قریب پہنچی۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میں دھک سے رہ گئی، وہ زائرہ تھی۔ جلد ہی ریسکیو کی ٹیم اسے لے کر ہسپتال پہنچ گئی۔ اس کی ٹانگیں حادثے کی زد میں آ گئی تھیں۔ وہ کئی ماہ ہسپتال میں رہی۔ ہر روز اس کے لیے خوش رنگ پھول لے کر جانا اور گھنٹوں خوش اُمید باتیں کرنا میرا معمول بن گیا تھا۔ ”کیا میں معذور ہو جاؤں گی؟“ وہ بہت خوف زدہ تھی۔ میں اسے اُمید دلاتی، وہ خوش بو سے ہی میری آمد کا پتا لگا لیتی تھی۔ آخرکار وہ اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئی تو میں اسے پارک میں لے آئی۔ اس کے چہرے پر خوشی کے رنگ بکھرے تھے۔ ”اس دن تم چلی گئی تو مجھے بہت افسوس ہوا۔ میں ہر روز پارک آ کر تمہارا انتظار کرتی، تم مجھ سے بدگمان ہو گئی تھی۔ میں سائیکالوجی کی سٹوڈنٹ ضرور ہوں، مگر تم میرا ایک سائیکو کیس نہیں تھی، میں نے تم سے سچی دوستی کی تھی۔“ کچھ لمحے ہمارے درمیان خاموشی چھائی رہی۔ ”ہاں! میں بہت بدگمان ہو گئی تھی، مگر جب ہسپتال میں آپ مجھ سے ملنے آتی رہی تو مجھے احساس ہو گیا کہ میں آپ کا کیس نہیں تھی۔ آپ واقعی مخلص اور بے غرض دوست ہیں۔“ زائرہ نے اندازے سے میرے ہاتھ کو تھاما تو میں نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا، وہ مسکرا دی۔ مجھے اپنے اندر تک سکون اترتا ہوا محسوس ہوا۔ میں اس کی بے رنگ آنکھوں میں رنگ نہیں بھر سکی تھی، مگر بے رنگ زندگی میں اُمید اور خوشیوں کے رنگ بھرنے میں کامیاب ٹھہری تھی۔

قرآن اور شہد کی مکھی

عذرا خالد

آج صبح پودوں کی دیکھ بھال کرنے کے لیے پودوں کو پانی دینے کے لیے مالی بابا آئے تو بہت خوش تھے۔ میں نے کہا: "آج تو آپ بہت خوش ہیں، کیا کوئی انعام نکل آیا ہے۔"

چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگے: "آپ میرے ساتھ لان کے پیچھے والے حصے میں چیکو کے درخت کے پاس چلیں، میں نے باہر سے ہی چیکو کے درخت پر ایک قیمتی چیز دیکھی ہے۔" میں سوچنے لگی کوئی طوطا یا کوئی اور پرندہ آگیا ہوگا، کیوں کہ ہمارے رہائشی علاقے میں پھلوں کے اور پھولوں کے درخت لوگوں نے بھی لگا رکھے ہیں اور اس سوسائٹی کی انتظامیہ نے بھی شجر کاری پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اس وجہ سے خوبصورت پرندوں کی آمد و رفت رہتی ہے اور پرندوں کا یہاں مسکن بھی ہے۔

خیر! میں مالی بابا کے ساتھ چیکو کے درخت کے پاس گئی تو انھوں نے اشارے سے دکھایا کہ "وہ دیکھیں! شہد کی مکھی نے کتنا بڑا چھتّا بنا رکھا ہے۔" میری زبان سے فوراً سبحان اللہ نکلا اور سورۃ النحل کی آیت 48 یاد آگئی۔

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا مفصّل بیان ہے، جو ربُّ العزّت نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لیے بیان کی ہیں۔

اس لیے اس سورت کو "سورۃ النعم" (نعمتوں کی سورت) بھی کہا جاتا ہے۔

نحل عربی زبان میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت 67 میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دیے گئے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ ربُّ العزّت نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر یعنی (چھتّہ) بنالے اور درختوں میں (بھی) اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں، ان میں بھی چھتّہ لگالے، چناں چہ ان سب موقعوں پر وہ چھتّہ لگاتی ہے، پھر ہر قسم کے (مختلف) پھلوں سے (جو تجھ کو مرغوب ہوں) چوستی پھر۔۔۔ پھر چوس کر چھتّہ کی طرف واپس آنے کے لیے اپنے رب کے راستوں پر چل جو (تیرے لیے باعتبار چلنے کے اور یاد رہنے کے) آسان ہیں، (چناں چہ بڑی بڑی دور سے بے راستہ، بھولے ہوئے اپنے چھتّے کو لوٹ آتی ہے، پھر جب چوس کر اپنے چھتّے کی طرف لوٹتی ہے تو) اس کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے، (یعنی شہد) جس کی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں، اس میں لوگوں (کی بہت سی بیماریوں) کے لیے شفا ہے، اس میں بھی ان لوگوں کے لیے (توحید کی اور منعم اور نیکی) بڑی دلیل ہے، جو سوچتے ہیں۔

النّحل، شہد کی مکھی اپنی عقل و فراست اور حسنِ تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز کیڑا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو خطاب بھی امتیازی شان سے کیا ہے۔ باقی حیوانات کے بارے میں تو قانونِ کلّی کے طریقے پر اَعۡطٰی کُلَّ شَیۡءٍ خَلۡقَهٗ ثُمَّ هَدٰی فرمایا، لیکن اس ننّھی سی مخلوق کے بارے میں خاص کر کے وَاَوۡحٰی رَبُّكَ فرمایا، جس سے اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ یہ دوسرے حیوانات سے بہ نسبت عقل و شعور اور سوجھ بوجھ میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ شہد کی مکھیوں کی فہم و فراست کا اندازہ ان کے نظامِ حکومت سے بہ خوبی ہوتا ہے کہ ضعیف جانور کا نظامِ زندگی انسانی سیاست و حکم رانی کے اصول پر چلتا ہے۔ تمام نظم و نسق ایک بڑی مکھی کے ہاتھ میں ہوتا ہے، جو تمام مکھیوں کی حکمران ہوتی ہے، اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سالم چلتا رہتا ہے، اس کے عجیب و غریب نظام اور مستحکم قوانین و ضوابط کو دیکھ کر انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

وَاَوۡحٰی رَبُّكَ سے جو ہدایت دی گئی ہے، ان میں سے یہ پہلی ہدایت ہے، جس میں گھر بنانے کا ذکر ہے، یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ ہر جانور اپنے رہنے سہنے کے لیے گھر تو بناتا ہی ہے، پھر گھروں کی تعمیر کا حکم مکھیوں کو دینے میں کیا خصوصیت ہے؟ پھر یہاں لفظ بھی "بیوت" کا استعمال فرمایا جو عموماً انسانی رہائش گاہوں کے لیے بولا جاتا ہے، اس سے اشارہ ایک تو اس طرف ہے کہ مکھیوں کو چوں کہ شہد تیار کرنا ہے، اس کے لیے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں۔ دوسرا اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی، وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے، بلکہ ان کی ساخت و بناوٹ غیر معمولی قسم کی ہوگی، چناں چہ ان کے گھر عام جانوروں کے گھروں سے ممتاز ہوتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی ششدر رہ جاتی ہے۔ اُن کے گھر مسدس شکل کے ہوتے ہیں، اگر ان کی پیمائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں رہتا، مسدس شکل کے علاوہ وہ دوسری کسی شکل مثلاً مربع اور مخمس وغیرہ کو اس لیے اختیار نہیں کرتیں کہ ان کے بعض کونے بے کار اور خالی رہ جاتے ہیں۔

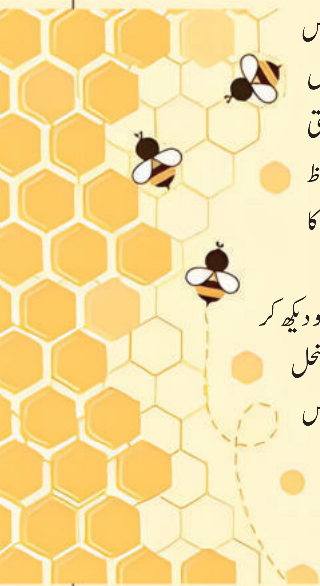

رب تعالیٰ نے مکھیوں کو محض گھر بنانے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اس کا محلِّ وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ کتنی بلندی پر ہونا چاہیے، کیوں کہ ایسے مقامات پر شہد کو تازہ اور صاف چھنی ہوئی ہوا پہنچتی رہے، تاکہ وہ گندی ہوا سے چھتہ محفوظ رہے اور کسی قسم کے نقصان کا اندیشہ نہ رہے۔

شہد کے چھتّے کو دیکھ کر میں نے سورۃ النحل کا مطالعہ کیا اور اس سورت کو سمجھنے کی کوشش کی تو بے اختیار زبان سے اللہ تعالیٰ کی لاتعداد نعمتوں کا شکر ادا کیا۔

خاص طور سے آیت 68 کی تفسیر پڑھ کر معلوم ہوا کہ عقل و شعور انسانوں کے علاوہ دوسرے جانوروں میں بھی ہے، البتہ عقل و فہم کے درجات اللہ تعالیٰ نے مختلف مقرر کیے ہیں۔ انسان اشرف المخلوقات ہے، اس لیے انسانوں کی عقل تمام ذی حیات اشیا کی عقول سے زیادہ کامل ہے۔ اسی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند ہے۔

آخر میں شہد کی مکھی کی فضیلت اور خصوصیت اس حدیثِ مبارکہ میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ نبی مکرّم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "یعنی دوسری ایذا رساں جانداروں کی طرح مکھیوں کی بھی تمام قسمیں جہنم میں جائیں گی، جو وہاں جہنمیوں پر بطور عذاب مسلّط کر دی جائیں گی، مگر شہد کی مکھی جہنم میں نہیں جائے گی۔" (نوادر الاصول بحوالہ قرطبی)

شہد کی مکھی کی فضیلت کے کیا کہنے، اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ بیان کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہی شہد کی مکھی کی فضیلت احادیث سے بھی واضح کی گئی ہے۔ سبحان اللہ العظیم!!

شاہین

بنتِ آصف عباسی

قلم کی نوک پر فلسطین کا نام آیا تو ظاہر ہے کہ قلم لرزہ تو ہو گا، ہاں یہ ضرور ہے کہ قلم دل نہیں رکھتا، مگر عقیدتِ فلسطین بہت رکھتا ہے اور ہو بھی کیوں نہ اسی قلم سے فلسطین کی تاریخ کے چمکتے مہتاب جیسے اور دریائے شور جیسے قصیدے لکھے گئے تھے -اسی طرح میرا قلم یہ سکت نہیں رکھتا کہ پُر درد کیفیتوں کو الفاظ کا جامہ پہنا سکے، مگر وہ فلسطین کے حالات کی ایک عکاسی کرنے جا رہا ہے، ہاں! یہ ضرور ہے کہ میں اپنے فلسطینیوں سے دور ہوں، مگر کتنے ہی جسم ایسے ہوتے ہیں جو بعید، مگر روحیں قریب ہوتیں ہیں اور ویسے بھی جسم کا تعلق کم زور ہوتا ہے اور ہر وقت ٹوٹ جانے کے دھانے پر رہتا ہے اور میرا یقیناً ان سے روح کا مضبوط تعلق ہے۔ میں اپنے نفس کو غیرت دلانے کے لیے اس کو عالمِ تفکّرات میں ارضِ فلسطین کی جانب لے جاتی ہوں۔اب میں اپنے نفس سے مخاطب اسے قُدس کا دورہ کرواتی ہوں کہ اے نفس آ! ذرا قدس کی طرف، انبیا کی سرزمین قبلۂ اوّل فلسطین کے آسمان کے نیچے اسرائیل کے سامنے اس زمین کی طرف، جہاں پانی کی جگہ خون بہہ رہا ہے، اس رنگین زمین فلسطین کی طرف جائیں، ویرانی و وحشت کے میدان فلسطین کی طرف جائیں، جہاں ظلم کی انتہا بے رحمی کی حد ختم، اُس فلسطین کی طرف جائیں ہم، جہاں موتیے کے پھولوں کو گلاب کی پتیوں سے سجایا جا رہا ہے، وہاں چلتے ہیں ہم۔۔۔

رہ گئے قدم قاصر، اگر سفر سے
دل کے پیروں سے جاکے فلسطین کا منظر دیکھ!

اے نفس! تم کبھی خود کو وہاں پاؤ گے، جہاں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی عمارتیں ہوا کرتی تھیں، جو آج زمین پر دھری پڑی ہیں۔

جہاں کل بچے والد جیسے سائبان کی چھاؤں میں تھے، آج وہ سورج کی تپتی شعاؤں کی لپیٹ میں ہیں، جہاں کل بچے اس ماں کی آغوش میں تھے جو مصیبت سے پہلے پرندوں کی طرح اپنے بچوں پر اپنے پر پھلایا کرتیں تھیں، آج وہی ننھے بچے عقابوں کی نظر کا نشانہ بنے ہیں، جہاں کل یہی کھلکھلاتے معصوم، والدین کی کل کائنات تھے، آج انھی کو لیے ہاتھوں پر ساکت کھڑے ہیں، جہاں کل ماں اپنے بیٹے پر شادی کے سہرے کا خواب دیکھتی تھی، آج وہی بیٹا سفید کفن اور مہندی خون میں لتھڑا پڑا ہے، جہاں کل کوئی کسی کے سر کا تاج تھا اور آج وہ اپنے اسی تاج کو تلاطمِ دم میں غرق دیکھ رہی ہے اور یتیم بچوں کا قصیدہ سنا رہی ہے، جہاں کل کوئی کسی کی شہزادی تھی اور وہ اپنے فقیر بادشاہ کی کل ثروت تھی تو آج وہ بادشاہ اپنی اس ثروت سے بھی محروم ہے، جہاں کل جو بیٹی کا سہارا ستون باپ تھا تو آج وہ ستون خود بے سہارا زمین پر پڑا ہے، جہاں کل مائیں اپنے معصوموں کی ہلکی سی سسکی پر دوڑی چلی آیا کرتیں تھیں، آج وہ معصوم انھیں رعد بھری آواز میں پکار رہے ہیں، مگر مائیں گم ہیں، جہاں پھر سے کربلا کی تاریخ کو دہرایا جا رہا ہے، جہاں بھوک کی شدّت اور پیاس میں رکھ کر اذیتیں دی جا رہی ہیں، جہاں ہر چیز کی بندش کر کے مسلمانوں کو جکڑا جا رہا ہے، جہاں تمام ایٹمی طاقت کا مظاہرہ مسلمانوں کے سینوں پر کیا جا رہا ہے، جہاں تمباکو کے تمام جوش کو مسلمانوں پر آزمایا جا رہا ہے، جہاں گولیوں کی رفتار کو مسلمانوں کے سینوں پر برسایا جا رہا ہے، جہاں مسلمانوں کی غیرتوں کو للکارا جا رہا ہے، جہاں مسلمانوں کی سجدہ گاہوں کو پارہ پارہ کیا جا رہا ہے، جہاں کتابِ حق کے ورقوں کو زمین پر بچھایا جا رہا ہے، جہاں اقصیٰ کی فریاد کے آگے اپنا سب کچھ لٹایا جا رہا ہے۔

ہاں! ہر سُو چیخ و پکار آہ و فغاں اور ہائے فریاد ہے، جہاں ظلم کے گھوڑے تیز و تند ہوا کی طرح دوڑ رہے ہیں اور اپنے کھر و تلے معصوم کلیاں روند رہے ہیں، جہاں کوئی منوں ملبے تلے گھنٹوں زندہ رہنے کے باوجود بے جانی کو محسوس کر رہا ہے، وہاں جائیں ذرا، اے نفسِ مسلمان! اس عالمِ تخیّل میں دل کے کانوں سے اس ماں کی آواز کو سنو! جو اپنے بچے کی تلاش میں گشت کر رہی ہے اور غور سے سنو، یہ کسی بہن کی آواز لگتی ہے جو اپنے بھائی جیسے رشتے کو کھو چکی ہے۔اے نفس! کیا یہ متصاویر تمہیں غیرت نہیں دلاتیں، یہ پُر درد آوازیں تمہیں غفلت کی نیند سے نہیں جگاتیں اور اے نفس! یہ دیکھ! بچے سڑکوں پر بکھری نشعوں میں اپنوں کو ڈھونڈ رہے ہیں اور پھر یہ کسی ماں کی آواز لگتی ہے کہ میرا چھوٹا سا بچہ تھا، جس نے ابھی تک بولنا بھی نہیں سیکھا تھا، دنیا نے اسے بھی اپنے ظلم کی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ درد کے اس سمندر میں کوئی کسی کو کہتا ہے ”تیرا ننھا جان باز! زندگی کی دوڑ میں تھک گیا اور کوئی زخموں سے چور، مگر فکرِ عزیزاں میں مشغول ہے اور یہ سن اے نفس! کسی ضعیف کی آواز لگتی ہے، جو بڑی فکر سے اپنا آشیانہ ڈھونڈ رہا ہے، مگر اسے کیا خبر کہ جن اینٹوں کو ترتیب دینے میں اس نے اپنی ساری جوانی گنوادی، وہ آج ریت و مٹی میں تبدیل ہیں اور یہ دیکھ کہ یہ کندھوں پر سفید سی قطاریں کیا نظر آ رہی ہیں، ذرا قریب جا کے دیکھو! سینے میں دل

ہوا تو چیخ اٹھو گے۔ یہ ان خوش نصیبوں کا لاشہ ہو گا، جنھوں نے سب کچھ وار دیا اقصیٰ پر!! حتیٰ کہ جان کا بھی نظرانہ پیش کیا۔"

دیکھ رہے ہیں اقصیٰ، تیرے شاہینوں کا تماشہ
جاں ہتھیلی پہ لیے کس دلیری سے دکھا رہے ہیں تماشہ!
سر خم نہ کیا جس نے باطل کے دھمکانے پر
سرخ کفن زیب تن کیے تیری دہلیز پہ پڑا ہے وہ لاشہ!

"ان کی مفلسی کو سوچو اور غیرت کو لازم پکڑو، جذبات کے سمندروں میں غوطہ لگا کر فکر کے سفینے پر سوار ہو اور سوچو کیا کرب کے پہاڑ گر رہے ہیں، ان بے کسوں پر، ان بے سہاروں پر، ان کا سہارا کون بنے گا؟ ان کا معاون کون بنے گا؟ ان کی فریادرسی کون کرے گا؟ ان کو تسلی کون دے گا؟ ان کے آنسوؤں کو کون پونچھے گا؟ ان کے زخموں کی دوا کون بنے گا؟ ان کے کٹے کلیجوں کا تریاق کون کرے گا؟"

گلہ ہمارا ہے تم سے اے جہاں کے مسلمانو!
بے سہارا چھوڑ دیا تم نے ہمیں اقصیٰ کے پاسبانوں میں

"تو اے نفس! ایسا کیوں ہے؟ فلسطینیوں کو ہی کیوں ظلم کا نشانہ بنایا جا رہا ہے؟ انہی پر کیوں مظالم ڈھائے جا رہے ہیں؟ انہی کے بچوں کو کیوں یتیم اور عورتوں کو بیوہ کیا جا رہا ہے؟ صرف فلسطین ہی کیوں؟ کیا اقصیٰ صرف انہی کی ہے؟ کیا جہاد صرف ان پر ہی فرض ہے؟ کیا قرآن کی آیتوں کا بیان صرف ان ہی کے لیے ہے؟ کیا فرمانِ نبی ﷺ صرف ان کے لیے ہے؟ کیا بھوک پیاس اور زخموں سے چور ہونا صرف ان کے لیے ہے؟ کیا اقصیٰ کی حراست صرف ان کے لیے ہے؟ کیا حق کا باطل سے ٹکرانا صرف ان کے لیے ہے؟ کیا اپنا گھر بار جان و مال اور اولاد لوٹانا صرف ان کے لیے ہے؟ کیا اللہ کے راستے میں جان کا نظرانہ پیش کرنا ان کے لیے ہے؟ کیا مسلمان قوم صرف فلسطین ہیں؟ کیا امتِ محمدیہ ﷺ صرف فلسطین ہیں؟ کیا غیرتِ مسلمان صرف فلسطین ہیں؟ کیا زندہ ضمیر صرف فلسطین ہیں؟ کیا فولادی کلیجے صرف فلسطین ہیں؟ کیا پتھر دل صرف فلسطین ہیں؟ کیا ہمت کے پہاڑ صرف فلسطین ہیں؟"

"ہمت کے پہاڑ ہیں ہمارے فلسطینی! ہمت کے پہاڑ ہیں ہمارے فلسطینی! شاہین و عقاب ہیں ہمارے فلسطینی! فولاد ہیں کہ پتھر ہیں ہمارے فلسطینی! باطل بھی جن سے گھبرائے وہ ہیں ہمارے فلسطینی!"

"اے نفس! ہم سے تو فلسطین کے وہ بچے ہی اچھے ہیں، جنھوں نے جگروں کو رکھ کر باطل کا سارا زور آزمایا، جنھوں نے جان کو پیش کر کے وفا کا ثبوت دیا۔ اے نفس! تُو تو صرف لفظوں کا ہی ساجھی بنا رہا۔ اے نفس! تیری لاکھ ریاکار سجدوں سے بہتر اس ننھے شہید کے لہو کی ایک بوند ہے، جو اس نے اقصیٰ کے دِفاع میں بہائی۔ ہاں اے نفس!! وہاں کے سرپرستوں نے اپنے بچوں کی قربانی دے کر 1400 سال پہلے کی تاریخ کو جِدّت دی، جنھوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی قربانیوں جیسا منظر کھینچا، کسی نے اپنے بچے کی قربانی سے دورِ نبوت کی اس عورت کا سا ثبوت دیا، جس نے اپنے بچے کو جنگ میں ڈھال کے طور پر پیش کیا اور کسی نے حمزہ کی سی دلیرانہ شہادت کا ثبوت دیا اور کسی نے خنساء کا سا ثبوت دیا اور کسی نے عثمان کی سی شہادت دی کہ وہ قرآن پڑھ رہے تھے اور یہ آذان دے رہا تھا، غرض مردِ فلسطین نے ہر طرز سے وفا کا ثبوت پیش کیا اور یہ لوٹے آشیانے، یہ اجڑی داستانیں، یہ دردمند قصیدے، یہ غم زدہ نعرے، یہ باطل کے ظلم کی تصویریں، یہ فلسطین کی وفا کا ثبوت ہیں۔ اور یہ فلسطینی کی آہ اور ان کی تڑپتی روحیں، منہ کو آتے کلیجے، گھٹتے دل، یہ آنسوؤں کا مینہ، یہ زخموں والام اور یہ قربانیِ جاں، مظلوموں کی چیخ و پکار، یہ آہ، یہ سسکی، یہ صبر، یہ اضطرار، یہ سب رائیگاں نہیں ہیں۔ یہ سب کتاب حساب میں نوریوں کے قلم سے یقیناً سنہری روشنائی سے رقم کیا جا رہا ہے۔"

"ان پُر درد کیفیتوں کو الفاظ کا جامہ پہنا کر اور فلسطین کے خون ریز حالات کا نقشہ کھینچ کر میں یہی بتانا چاہتی ہوں کہ یہود و نصاریٰ سازشیں کر کے ہم سے ہمارا امن و سکون، دین ہمارے جان باز اور ہمارا اقدس چھین لینا چاہتے ہیں اور میرا مقصد صرف اپنے اور قارئین کے جذبات کو جگانا تھا اور یہ احساس پیدا کرنا تھا کہ فلسطینیوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے جا رہے ہیں اور مسلمانوں میں اتنا سنّاٹا!! یہ غیرت کے خلاف ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ ہم ان کی مدد کرنے سے معذور ہیں، مگر مسلمان ہونے کی وجہ سے اور امتِ محمدیہ ﷺ ہونے کی وجہ سے ہمیں ان کے غم کو اپنا غم سمجھنا چاہیے اور کم از کم اس حدیث کو مدِّ نظر رکھنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "ایمان والوں کو باہم ایک دوسرے پر رحم کھانے اور شفقت و مہربانی کرنے میں تم جسمِ انسانی کی طرح دیکھو گے، جب اس کے کسی ایک عضو کو بھی تکلیف ہوتی ہے تو جسم کے سارے اعضا بخار اور بے خوابی میں اس کے شریک حال ہو جاتے ہیں۔" اور کچھ نہیں تو ان کے لیے دعا تو کر ہی سکتے ہیں، کیوں کہ دعا مسلمان کا ہتھیار ہے اور اگر ہم اُس اللہ کو پکاریں گے جو ابراہیم کو مایوسی کے بعد اولاد دیتا ہے اور زکریا کو بڑھاپے میں یحیٰی دیتا ہے، وہ ایوب کو بیماری کے بعد شفا دیتا ہے اور مریم کو بِن شوہر کے بیٹا دیتا ہے اور موسیٰ کو جاری دریا میں راستہ دیتا ہے اور محمدِ مصطفیٰ ﷺ کو 313 کے ساتھ بدر کا میداں دیتا ہے تو ضرور وہ رب فلسطینیوں کو اسرائیل سے چھٹکارا دے گا اور ضرور ان شاء اللہ اقصیٰ کو اسرائیلیوں کے شکنجے سے چھٹکارا دے گا۔ ان شاء اللہ!" "اے دشمنِ ایماں، اے دشمنِ مسلماں! تو نے فلسطینی کو للکارا مثلِ ابرہا جائے گی! تجھ پر بھی ابابیل، کہیں سے بِن کے قدرت کا اشارہ، ان شاء للہ!!"

تربیتِ اولاد

ام محمد عبداللہ

"افففف! معلوم نہیں کون سا دن ہوگا، جب تمہاری شکایت موصول نہیں ہوگی اور سب کہیں گے ارحم ایک اچھا بچہ ہے۔" عالیہ اپنے دس سالہ بیٹے ارحم کی شکایات سن سن کر پریشان تھی۔ گھر کے کام سمیٹتے خود کلامی کرتے وہ اب اپنے بڑے بیٹے ذیشان کے کمرے میں آگئی تھی، جو میٹرک کے پرچوں کی تیاری کے لیے کتابوں میں سر دیے بیٹھا تھا۔

"یا اللہ! ذیشان کے اتنے نمبر آجائیں کہ کسی بہت اچھے کالج میں اسکالرشپ پر داخلہ مل جائے۔" اس کے دل سے دعا نکلی۔

ذیشان کا کمرہ سمیٹ کر باہر نکلی تو سولہ سالہ بڑی بیٹی فرحین راہداری میں لگے قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑے بھنویں بنانے میں مشغول تھی۔

"فرحی! بھنویں بنانا گناہ ہے۔" اس نے آج ایک بار پھر اسے ٹوکا۔

"آپ بنایا کرتی تھیں امی! میں نے دیکھی ہیں آپ کی پرانی تصویریں۔" فرحین ٹس سے مس نہیں ہوئی تھی۔

"جو غلطیاں میں نے کیں، کیا ضروری ہے کہ تم بھی کرو؟" اس نے دکھ سے بیٹی کی جانب دیکھا۔

ایک عالیہ ہی کیا! اپنے بچوں کے حوالے سے ہم سب کے اسی طرح کے خواب اور اہداف ہیں۔

بچے اچھا کھالیں! اچھا پہن لیں! اچھا پڑھ لیں! سب جگہ ان کی تعریف ہو! وہ غلطیاں نہ کریں جو ہم سے ہوئیں! بچوں کو دین کی سمجھ آجائے! ان کے اخلاق اچھے ہو جائیں! دنیا اور آخرت کی کامیابی مل جائے۔

اور ان خوابوں کی تعبیر اور ان اہداف کے حصول کے لیے ہم ادھر ادھر کوئی شارٹ کٹ، کوئی انسٹنٹ کوئک مکس فارمولا ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

لیکن۔۔۔ حقیقت یہ ہے کہ تربیتِ اولاد ایک محنت طلب، صبر آزما اور کبھی ساقط نہ ہونے والا فریضہ ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی مسلم ہے کہ تربیتِ اولاد میں سب سے پُر اثر اور اہم کردار ماں کا ہی ہے۔ اگر ماں کو باپ پر تین درجے فضیلت حاصل ہے تو تربیتِ اولاد میں ماں کی ذمہ داری بھی تین گنا زیادہ ہے۔

قرآنِ مجید میں سے تربیتِ اولاد کے ضمن میں ہم سورۂ تحریم کی اس آیتِ مبارکہ سے بھی رہ نمائی لے سکتے ہیں۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جس پر نہایت تند خو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے جو کبھی اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو حکم بھی انہیں دیا جاتا ہے اسے بجا لاتے ہیں۔ (التحریم: 6)

یہاں اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ میں آگئی کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکامِ الٰہیہ کی پابندی کریں، مگر غور طلب بات تو یہ ہے کہ اہل و عیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں؟

تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جن کاموں سے منع فرمایا ہے، ان کاموں سے ہم اپنے اہل و عیال کو منع کریں اور جن کاموں کے کرنے کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے، ہم ان کے کرنے کا اہل و عیال کو حکم کریں تو ان شاء اللہ! یہ عمل ہم سب کو اللہ پاک کی رحمت سے جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔۔۔ تربیتِ اولاد کے ضمن میں یہ ایک سنہری اصول ہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر ہو۔

جہنم سے بچانے والے اعمال کا علم حاصل کرنا اور پھر اس علم پر خود عمل کر کے استقامت اختیار کرنا، ساتھ ساتھ بچوں کی توجہ بھی اس جانب مبذول کروا کر ایک بڑے ہدف جہنم کی آگ سے آزادی کی جانب بڑھتے ہوئے ہم بچوں سے متعلق اپنے چھوٹے چھوٹے اہداف کو بھی بہتر انداز میں حاصل کر پائیں گی اور نگاہ اصل ہدف (جہنم کی آگ سے بچاؤ) سے بھی نہیں ہٹے گی۔ ان شاء اللہ!

عفوو درگزر

خنساجاوید

عفو ودر گزر کے معنی ہیں "معاف کرنا، گریز کرنا یا مٹانا" اصطلاح میں اس کے معنی "کسی کے غلط رویے یا ظلم کرنے کے پاداش میں طاقت اختیاری کے باوجود بھی اُسے معاف کر دینا، عفوودر گزر کہلاتا ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ارشادات: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں اکثر جگہ مومن اور اپنے برگزیدہ بندیوں کے لیے عفوودر گزر کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے: فاعفوا واصفحوا (البقرہ:109)

ترجمہ: پس تم معاف کردو اور درگزر سے کام لو۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ (آلِ عمران:134)

ترجمہ: اور (مومن) غصے کو پی جانے والے اور معاف کرنے والے ہیں۔

پیارے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کا عفوودر گزر سے کام لینا:

عفو در گزر ایک ایسی صفت ہے، جس سے اسلام کے پھلنے میں روانی آئی تھی۔ آپ ﷺ پر ہونے والے ظلمات اور آپ کا مقامِ طائف، صلحِ حدیبیہ، فتحِ مکہ و بہت سے جیتے ہوئے غزوات میں لوگوں کو یوں معاف کرنا، یقیناً پوری امتِ مسلمہ کے لیے بہترین نمونے ہیں، سمجھنے کے لیے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہے کہ "آپ ﷺ نہ تو عادتاً بُری باتیں کرتے تھے اور نہ تکلّفاً اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے تھے اور نہ ہی برائی کا بدلہ برائی سے دیتے تھے، بلکہ آپ ﷺ معاف کرتے اور در گزر فرمایا کرتے تھے۔" (جامع ترمذی)

عفوودر گزر کی فضیلت:

حضرتِ سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علی نبینا نے عرض کی "اے ربُّ العزّت! تیرے نزدیک کون سا بندہ زیادہ عزّت والا ہے؟ فرمایا: "جو بدلہ لینے کی قدرت کے باوجود معاف کردے!" (شعب الایمان، ج6، ص319)

خاتم الانبیا ﷺ کا ارشاد پاک ہے: "صدقہ دینے سے مال کم نہیں ہوتا اور بندہ کسی کا قصور معاف کرے تو اللہ عزّوجل اس (معاف کرنے والے) کی عزّت ہی بڑھائے گا۔" (صحیح مسلم)

"رحم کیا کرو تم پر رحم کیا جائے گا اور معاف کرنا اختیار کرو، اللہ عزّوجل تمہیں معاف فرما دے گا۔" (مسند امام احمد)

ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہنے لگا: "یارسول اللہ (ﷺ)! ہم خادم کو کتنی بار معاف کریں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "روزانہ ستر بار!" (جامع ترمذی)

حضرتِ مفتی احمد یار خان فرماتے ہیں: "عربی میں "ستر" کا لفظ بیان زیادتی کے لیے ہوتا ہے، یعنی ہر دن اسے بہت دفعہ معافی دو!" (مراۃ ج5، ص170)

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت کے روز اعلان کیا جائے گا؟ جس کا اجر اللہ عزّوجل کے ذمہ کرام پر ہے، وہ اٹھے اور جنت میں داخل ہو جائے، پوچھا جائے گا، کس کے لیے اجر ہے؟ وہ منادی کہے گا" ان لوگوں کے لیے جو معاف کرنے والے ہیں!" (المعجم الاوسط)

بہترین عورتیں

نداختر

حضرت امّ ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی طالب بعثت سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب سے ان کی بیٹی امّ ہانی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ مانگا تھا، اس وقت ہبیرہ بن ابی وہب نے بھی ان کا پیغام بھیجا تو فیصلہ ہبیرہ بن ابی وہب کے حق میں ہوا اور اس نے ان سے شادی کرلی۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا سے کہا: "چچاجان! آپ نے ہبیرہ بن ابی وہب سے شادی کردی اور مجھے چھوڑ دیا۔" تو انھوں نے کہا: "میرے بھتیجے! ان سے ہمارا ددھیالی کا رشتہ ہے اور ایک عزّت دار ہی دوسرے عزّت دار کو اس کا بدلہ دیتا ہے۔" پھر امّ ہانی رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کرلیا تو ان کے اور ہبیرہ بن ابی وہب کے درمیان جدائی ہو گی۔

آں حضرت ﷺ نے پھر انھیں پیغام دیا تو وہ بولیں: "قسم خدا کی! میں تو آپ ﷺ سے زمانۂ جاہلیت میں ہی محبت کرتی تھی، اسلام کے بعد تو یہ محبت اور بڑھ گئی ہے، مگر میں بچوں والی ہوں اور مجھے یہ گوارا نہیں کہ یہ آپ کے لیے تکلیف کا باعث بنے۔" ابو شقیل بن ابی عقرب نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ امّ ہانی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور انھیں نکاح کا پیغام دیا تو وہ اپنے بچوں کو دیکھتے ہوئے بولیں: ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ جبکہ ایک گود میں لیٹا ہوا ہے اور ایک شیر خوار ہے، پھر آپ ﷺ کے پینے کے لیے دودھ لایا گیا، میں روزے سے تھی، مگر پھر بھی پی لیا۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "تم نے ایسا کیوں کیا۔" تو وہ بولی: "آپ ﷺ کے جھوٹے کے لیے۔" ایک روایت کے مطابق جب آپ ﷺ نے انھیں پیغام بھیجا تو انھوں نے جواب دیا: "رسول اللہ ﷺ! آپ مجھے میری سماعت اور بصارت سے بھی زیادہ عزیز ہیں اور شوہر کا حق بہت زیادہ ہوتا ہے، اس لیے میں ڈرتی ہوں کہ شوہر کے حقوق کی ادائیگی میں کہیں مجھ سے اپنے بچوں کی حق تلفی نہ ہو جائے اور بچوں کے حقوق کی ادائیگی میں کہیں شوہر کی حق تلفی نہ ہو جائے۔" تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اونٹوں پر سوار ہونے والی سب سے زیادہ بہتر عورتیں قریشی عورتیں ہیں، جو اپنے بچے کے لیے اس کے بچپن میں سب سے زیادہ شفیق اور شوہر کا سب سے زیادہ خیال رکھنے والی ہوتی ہیں۔"

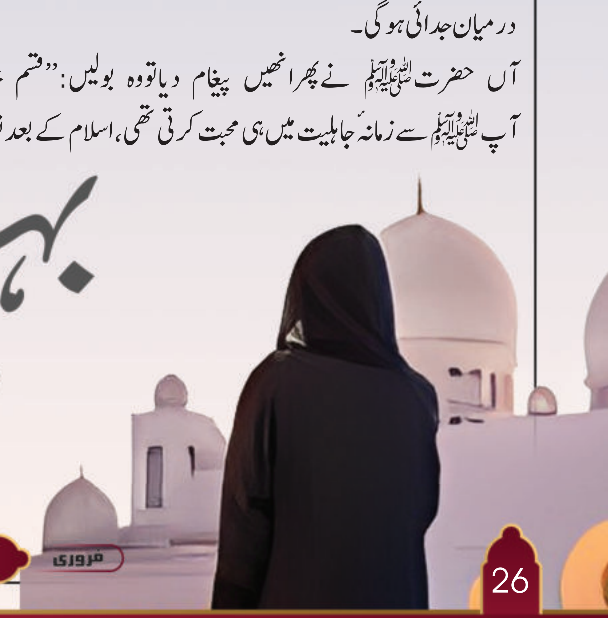

میں اور میرے پیارے

بشریٰ حسین

افففف!!! عشاء کی نماز رہتی ہے، ابھی ننھی عبیرہ کو سلاتے سلاتے میری اپنی آنکھیں بھی نیند سے بند ہونے لگی تھیں۔

”عبیرہ جانی سو جاؤ پلیز!“ میں اسے پیار سے تھپکتے ہوئے اب اس کی منتیں کرنے لگی تھی۔ نیند سے بند ہوتی پلکوں سے اس نے مجھے جھانکا اور ایک پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ پُرسکون نیند سو گئی۔

لیکن اب تک میری ہمت جواب دے چکی تھی۔

عشاء کی نماز رات میں کسی وقت اٹھ کر پڑھ لوں گی۔

میں نے کمبل ذرا اور اوپر کھینچا۔

اور بس گہری نیند میں جانے ہی والی تھی کہ عبیرہ کی کھانسی نے یک دم چوکنا کر دیا۔ میں نے پوری آنکھیں کھول کر اسے دیکھا، کیوں کھانسی ہے یہ؟ اللہ جی کھانسی تو نہ لگے اسے، من موہنی گڑیا ایک بار پھر نیند میں مسکرانے لگی تھی۔

ذرا آنکھیں بند کیں تو دن بھر بچوں کے ساتھ کیے گئے مکالمے کانوں میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

امی امی! مجھے قاری صاحب نے قرات کے مقابلے کے لیے منتخب کیا ہے۔

بہت سے اسکولوں سے بچے آئیں گے، قاری صاحب کہتے ہیں تم سب سے اچھی تلاوت کرنا۔

سب سے اچھی میں کیسے کر پاؤں گا؟ میرا پیارا اسنان کیسا فکر مند تھا۔

”تم دل لگا کر محنت کرو اور میں دل سے دعائیں کروں گی۔“ صبح کتنے یقین سے میں نے اس کی ہمت بندھائی تھی۔

”امی! قاری صاحب کہتے ہیں، تم جلدی جلدی بہت اچھا قرآن پاک یاد کر لیتے ہو، لیکن یاد کر لینا کمال نہیں، مستقل یاد رکھنا کمال ہے۔“ حسان کی اپنی علیحدہ فکر تھی۔

”روز سبقی، منزل دہراؤ گے تو مستقل یاد رکھ پاؤ گے، ان شاء اللہ! میں ہر وقت دعا بھی تو کرتی رہتی ہوں تمہارے لیے۔“

”امی امی! اب نیا بہت مشکل پیٹرن آیا ہے امتحانات کا، میرا کیا ہوگا۔“ سفیان کو اپنی پریشانی لاحق تھی۔

”بھئی ہونا کیا ہے، محنت کرو پڑھو، میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ اللہ پاک تمہیں کام یاب فرمائیں گے۔“

”یا اللہ! میرے پیارے پیارے بچوں کو کام یاب کرنا۔“ بے اختیار دعا لبوں پر آ تو گئی، مگر ساتھ ہی شرمندگی بھی ہوئی، اللہ پاک نے نماز کے لیے بلایا وہ تو کہا مانا نہیں اور اپنی فرمائشی لسٹ لے کر کرنے لگی یا اللہ یا اللہ!

”بس ایک آدھا گھنٹہ نیند لے لوں، پھر اٹھتی ہوں، حاجت کے نفل بھی پڑھوں گی بچوں کے لیے ان شاء اللہ!“

میں نے خود کو یقین دلایا، حالاں کہ جانتی تھی جتنی میں تھکی ہوئی تھی، صبح بھی مشکل سے اٹھوں گی۔

ذرا سی آنکھ لگی تو ہڑبڑا کر اٹھ گئی، لگا جیسے سامنے رکھی جائے نماز پر امی جان بیٹھی ہیں اور رو رو کر میری دنیا و آخرت کی خوشیاں اور کام یابیاں اللہ تعالیٰ سے مانگ رہی ہیں۔

”افففف، کیسی بیٹی ہو تم اقشیں! جو ماں ساری ساری رات تمہاری خوشیوں کے لیے اللہ ربُّ العزّت کے سامنے گڑگڑاتی رہی اور جس کی دعاؤں کی برکت سے آج تمہارا دامن خوشیوں سے لبریز ہے، اس ماں کے لیے دعائے مغفرت کیے بغیر سو رہی ہو۔“

جب اللہ کے آگے کھڑی ہی نہیں ہوئیں، نماز ہی نہیں پڑھی تو بچوں کے لیے کیا مانگوں گی؟ ماں کے لیے کیا مانگو گی؟

میں نے ایک ٹھنڈی گہری سانس بھری۔۔۔

اے میرے پیارو! اللہ پاک تمہیں سدا سلامت رکھے۔ آمین!

مجھے تم سب کے لیے اللہ پاک سے بہت کچھ مانگنا ہے۔

میں تم سب کی محبت میں اللہ پاک کی نافرمانی نہیں کر سکتی۔

میں تم سب کی چاہ میں نماز نہیں چھوڑ سکتی۔

میں اٹھ گئی تھی۔

وضو اور نماز سب آسان ہو گیا تھا۔

میں اپنے پیاروں کے لیے اللہ سبحان و تعالیٰ کے سامنے دل دامن پھیلائے بیٹھی تھی۔

کیوں کہ میں یہ بھی تو جانتی تھی کہ اللہ پاک نے قرآن میں فرمایا ہے:

وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا (ان کے والد نیک انسان تھے)

مجھے معلوم ہے کہ اولاد کے بہتر اور محفوظ مستقبل کے لیے بینک بیلنس سے زیادہ ضروری انسان کا اپنا نیک عمل ہے۔

اور یہ حدیث بھی تو میں نے پڑھ رکھی ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب انسان مر جاتا ہے تو اس کے عمل کے ثواب کا سلسلہ اس سے منقطع ہو جاتا ہے، مگر تین چیزوں کے ثواب کا سلسلہ باقی رہتا ہے:

1. صدقہ جاریہ
2. وہ علم جس سے نفع حاصل کیا جائے
3. صالح اولاد، جو مرنے کے بعد اس کے لیے دعا کرے۔ (صحیح مسلم)

اور اب میں اپنی مرحومہ ماں کے لیے صرف دعائے مغفرت ہی کا تحفہ تو بھیج سکتی ہوں۔

مبارک سفر کی حسین یادیں

سارہ فاروقی

سیر و سیاحت کا شوق تو ابتدا ہی سے ہر انسان کے اندر ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگانی گر رہی تو نوجوانی پھر کہاں

مگر یہاں ہمارے سفر سے مراد ایک ایسے سفر کی ہے، جس کا تعلق صرف اور صرف تسکین و طمانیت، قلب و نظر سے ہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے، جو صرف قسمت والوں کو ہی میسر آتا ہے۔ یہ سفر ایسا ہے کہ اسباب سے زیادہ شوق و جستجو، قلبی تڑپ اور ربُّ العالمین کی توفیق کے ذریعے ممکن ہوتا ہے۔ اس راستے کا مسافر مشقّتوں سے گزر کر فقط رضائے الٰہی کی محبت کی خاطر منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔

2010 جون کا مہینہ تھا، جب میں اپنی فیملی اور ایک نہایت عزیز سی پھپھو جان کے ساتھ عُمرے کے لیے سرزمینِ مقدّس کی زیارت کو گئی۔ میری حرمین شریفین کی زیارت کا یہ پہلا موقع تھا۔ فلائیٹ کی روانگی صبح سویرے کراچی سے تھی، جہاز میں سوار ہوتے وقت موسم خوش گوار تھا۔

ہماری خوشی کی انتہا نہ تھی، رشتے دار ہمیں دعاؤں سے نوازے جا رہے تھے اور چند قریبی رشتے دار ہمیں یوں الوداع کرتے وقت الوداعی آنسو بہا رہے تھے۔ خیر! دل تھام کر سب کو الوداع کہہ کر ایک قطار میں ہم والدین کے ساتھ ائیر پورٹ کے اندرونی حصے میں داخل ہوئے۔ ہم بھی اپنی باری کا انتظار کرتے رہے، آخر کار ہمارا نام بھی پکارا گیا۔ پاسپورٹ وغیرہ چیک کروا کے پھر کچھ دیر مزید انتظار کرنا پڑا۔ اس دوران ہم سب نے اپنا اپنا احرام پہنا اور ایک جگہ نماز کے لیے جگہ بنی ہوئی تھی، ہم نے وہاں نوافل ادا کیے۔

پی آئی اے کا جہاز تھا، انتظامیہ کی طرف سے قطار در قطار تمام مسافروں کو جہاز کی طرف روانہ کیا گیا اور اپنی اپنی نشستوں پے بیٹھنے کی ترغیب دی گئی، بالآخر ہم سب اپنی اپنی نشستوں پے بیٹھ گئے، کچھ دیر گزری ہی تھی کہ جہاز نے اڑان بھری اور ایک دم دل کو دھچکا لگا، یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ کیا واقعی ہم اللہ کے گھر کی طرف رواں دواں ہیں، لیکن ہم تو واقعی وہ خوش نصیب تھے، جنھیں اللہ نے اپنے گھر بلوایا۔ دورانِ سفر بہت سی دعائیں زبان پے جاری تھیں، ہر طرف لبیک اللھم لبیک کی صدائیں بلند ہونا شروع ہو گئیں اور یوں تقریباً چار ساڑھے چار گھنٹے کا یہ سفر مکمل ہوا اور اعلان ہونے لگا، ہم اب جدّہ کے قریب پہنچنے والے ہیں تمام مسافر تیار رہیں۔

جدّہ ائیر پورٹ پے سامان ملنے کے بعد سیدھا مکان پر پہنچے، پہلے سے بکنگ کروا چکے تھے۔ وہاں پہنچ کر ہمیں کہا کہ تھوڑی دیر آرام کیا جائے، پھر بیت اللہ کی طرف چلتے ہیں، لیکن ہم میں سے کوئی بھی اس بات پے راضی نہیں ہوا اور سب ایک ساتھ چل پڑے۔ ہمارے قدم اتنا تیز چل رہے تھے کہ دل چاہ رہا تھا فوراً اللہ کے گھر پے نظر پڑے، لیکن سب کے ساتھ چلنا پڑا۔

جیسے ہی ہم بیت اللہ کے قریب پہنچے، ابھی بیت اللہ شریف پے نظر نہیں پڑی تھی کہ والد صاحب نے سب کو روک کر کہا کہ جب بیت اللہ شریف پے پہلی نظر پڑے تو فوراً یہ دعا مانگنا: ”اے اللہ! ہمارا خاتمہ ایمان پے فرما اور موت کے وقت کلمہ نصیب فرما۔“ اس کے بعد ہم پھر آہستہ آہستہ اپنے قدم بیت اللہ شریف کی طرف بڑھانے لگے۔ اتنے میں ہماری نظر دیواروں پے بنے چھوٹے چھوٹے روشندان پر پڑی، وہاں سے بیت اللہ کے غلاف کی تھوڑی سی جھلک محسوس ہوئی۔ ہم نے فوراً نظریں ہٹائیں اور اپنے دل سے کہا کہ نہیں ابھی نہیں! مکمل ایک ساتھ سامنے جا کے زیارت کریں گے۔

جیسے ہی بیت اللہ شریف کی سیڑھیوں پر پہنچے، اپنی نظروں کو آہستہ سے اٹھا کر سامنے دیکھا تو واللہ دل سے ایک ہی صدا آئی، اللہ اکبر کبیراً، والحمد للہ کثیراً! ہاتھ اٹھے رہے، دعائیں لب پے جاری رہیں اور آنسو بہتے رہے۔۔۔ اور آج اس وقت کو یاد کرتی ہوں تو یہ اشعار یاد آ جاتے ہیں:

کعبے پے پڑی جب پہلی نظر کیا چیز ہے دنیا، بھول گیا
یوں ہوش و خرد مفلوج ہوئے، دل ذوقِ تماشا بھول گیا
احساس کے پردے لہرائے ایماں کی حرارت تیز ہوئی
سجدوں کی تڑپ اللہ اللہ! سر اپنا سودا بھول گیا
پہنچا جو حرم کی چوکھٹ تک ایک ابرِ کرم نے گھیر لیا
باقی نہ رہا پھر ہوش مجھے، کیا مانگ لیا کیا بھول گیا

جس وقت دعا کو ہاتھ اُٹھے، یاد آنہ سکا جو سوچا تھا
اظہارِ عقیدت کی دھن میں اظہارِ تمنّا بھول گیا

نماز ادا کی، نماز کی ادائیگی کے بعد طوافِ حرم کی طرف پہنچے۔اس کے بعد نوافل ادا کیے، پھر سعی کی طرف روانہ ہوئے، سعی کر کے الحمد للہ ! عمرہ مکمل ہوا، پھر آرام کی غرض سے اپنے مکان کی طرف قدم بڑھائے۔اسی طرح سلسلہ چلتا رہا۔تہجد کے وقت آنا اور فجر پڑھ کر طواف کر کے فجر کے بعد قرآن کی تلاوت کرتے نیند کے جھونکے آنا شروع ہو جاتے تو وہیں کسی صف پر ہی سو جاتے۔ہائے ! وہ صحنِ کعبہ کی نیند ! کہ سپنے میں بھی حرم کعبہ اور تعبیر میں بھی حرم کعبہ۔ابھی گھنٹہ بھر ہی کی مزیدار نیند ہوتی ہو گی کہ صفائی کے لیے معاون بھائی اپنی ڈیوٹی پر آ جاتے، نمازیوں کو آواز لگاتے۔

یلاّ۔۔۔حاجی۔۔۔یلاّ

یعنی حاجی صاحب اب اُٹھ بھی جایئے ! ! ہم کسمسا کسمسا کر اُٹھ جاتے اور صحنِ حرم کی صفائی شروع ہو جاتی۔صف سے اٹھ کر باہر کا رُخ کرتے ہوئے واپس جانا اور پھر ظہر کو آنا، پھر کچھ دیر اور پھر عصر تا عشاء مسجدِ حرام میں خوب نمازیں اور نوافل ادا کرنا، طواف کرنا، قرآنِ مجید پڑھنا اور دعائیں مانگتے رہنا۔جتنے دن مکہ معظّمہ میں گزرے، کم و بیش روزانہ حطیم میں داخلے کی سعادت حاصل ہوئی۔کئی مرتبہ میں اکیلے یہاں چلی آتی، بیت اللہ کے انتہائی قریب بیٹھی رہتی۔اس قدر قریب کہ سجدہ کرتے میرا سر بیت اللہ شریف کی دیوار کو چھونے لگتا۔میزابِ رحمت کے عین نیچے بیٹھ کر دعا کرتی رہتی تھی، سر اٹھائے میزابِ رحمت اور بیت اللہ کو تکے جاتی۔بیت اللہ سامنے ہو تو آنکھیں بند کرنے کو دل نہیں مانتا۔نماز سے سلام پھیرتے ہی مجھے کعبہ کو دیکھنے کی جلدی ہوتی تھی۔ایسے میں بھلا آنکھیں موندھ کر دعا کیسے مانگتی، بس ہاتھ اٹھاتی جو جو قرآنی آیات ذہن میں آتیں، کھلی آنکھوں سے بیت اللہ کو تکتے تکتے دہرا دیتی۔مجھے بار بار اپنی خوش بختی کا خیال آتا تو اللہ کا شکر ادا کرتی، جس نے مجھ سیاہ کار کو یہاں تک رسائی عطا کر رکھی تھی۔کبھی غلاف کعبہ کو چھوتی تو کبھی غلاف کے پیچھے ہاتھ بڑھا کر کعبہ کی دیواروں کو ! ! وہاں کے لوگوں میں مہمان نوازی اس قدر تھی کہ پکڑ پکڑ کر ہمارے ہاتھوں میں کھانے پینے کی چیزیں دیتے، آٹھ دن ہمارا قیام مکہ مکرمہ میں رہا، اس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف جانے کا دن آ گیا۔

اب جب مدینہ منورہ کے سفر کو سوچتی ہوں تو فوراً اشعار یاد آتے ہیں :

مدینہ کا سفر ہے اور میں نمدیدہ نمدیدہ
جبیں افسردہ افسردہ! قدم لغزیدہ لغزیدہ

جب مدینہ منورہ کی حدود میں داخل ہوئے، شدید گرمی تھی، یہاں تک کہ عبایا کے اندر تپش سی محسوس ہوتی، جیسے ہی مسجدِ نبوی ﷺ کے دروازے پے پہنچتے، وہاں چیکنگ کے لیے پولیس خواتین معین کی گئی تھیں، موبائل فون رکھوا لیتی تھیں اور محبت کے انداز میں ہمیں مسجدِ نبوی ﷺ میں داخل ہونے کا اشارہ کرتیں۔جب مسجدِ نبوی ﷺ میں پہنچی تو دل میں خیال آیا کہ یہی تو وہ جگہ ہے، جہاں میرے نبی ﷺ اور آپ ﷺ کی جماعت یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تشریف فرما ہوا کرتے اور پیارے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول ﷺ کی احادیثِ مبارکہ سماعت فرمایا کرتے ۔ سبحان اللہ ! ! ! کتنا خوب صورت منظر ہوتا ہو گا، یہی سوچتے سوچتے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے ! !

آٹھ دن مدینہ منورہ میں قیام کے دوران کئی مرتبہ روضۂ رسول ﷺ پے حاضری نصیب ہوئی۔کئی مرتبہ ریاض الجنہ پے نوافل ادا کیے۔اس دوران رش کی وجہ سے بہت دھکم پیل ہوتی رہی، لیکن ایک وقت مقرر ہوتا تھا، کچھ دیر کے لیے وہاں کی عالمات درس دیتی تھیں۔الحمد للہ ! بہت کچھ سننے، سمجھنے اور عمل کی توفیق نصیب ہوئی۔اب جب یہ لمحات یاد آتے ہیں تو فقط اتنا زبان سے نکلتا ہے :

وہ مدینہ یاد آتا ہے
وہ گلیاں بازار یاد آتے ہیں
مدینہ کے در و دیوار یاد آتے ہیں

خوب زیارتیں بھی کیں، پہاڑوں کی سیر کی، وہاں چڑھ کر پتا چلا کہ تپتی دھوپ میں کیسے جنگیں لڑی جاتی تھیں، جہاں میرے نبی ﷺ اپنے پیارے اصحاب کے ساتھ وقت گزارا کرتے، سبحان اللہ ! !

مدینے سے واپسی کے وقت کچھ کھجور اور آبِ زمزم کا تحفہ بھی سب کے لیے لیا گیا، پھر سفر مکہ شروع ہوا۔مکہ پہنچ کر ایک اور عمرہ ادا کیا، پھر مزید کچھ دن قیام رہا اور خوب نمازیں، نوافل ادا کیے۔کئی بار کعبہ کے غلاف سے لپٹ کر اپنے اللہ کے سامنے خوب گڑگڑا کے دعائیں مانگتی تھی۔صحنِ حرم میں دور بیٹھے میں بیت اللہ کو دیکھا کرتی، خیال آتا کہ دنیا بھر کے کروڑوں مسلمان اس گھر کی طرف رُخ کر کے نماز کی ادائیگی کرتے ہیں۔مجھے اپنی خوش قسمتی کا احساس ہوتا جسے اللہ نے یہاں تک آنے اور بیت اللہ کی زیارت کی سعادت نصیب فرمائی ہے۔اکثر تو سوچتے سوچتے ہی نیند آ جاتی تھی، حرم کے فرش پہ ہی، پھر اچانک اذان کی آواز کانوں میں میٹھا سا رس گھولتی اور فوراً آنکھیں خوشی سی کھل جاتی اور ہم دوڑ پڑتے، وضو کی تیاری کے لیے ! !

آخر کار ! وہ دن آن پہنچا، جب ہمیں سرزمینِ حجاز کو الوداع کہنا تھا۔بہت ہی مشکل مرحلہ تھا، دل بہت اُداس تھا کہ کیسے اس مقدّس زمین کو الوداع کریں۔آخری لمحات میں ہم نے صحنِ کعبہ میں کھڑے ہو کر خوب دعا کی کہ "یاربُّ العالمین ! ہمیں اپنے گھر میں حاضری کے لیے دوبارہ جلد قبول فرما۔اپنے ملکِ پاکستان کے لیے دعا کی اور عزیز واقارب، بزرگوں اور اپنے اساتذہ کرام کے لیے خوب دعائیں کر کے ایک حسرت بھری نگاہ سے بیت اللہ شریف کو الوداع کہہ کر واپسی کی طرف لوٹ پڑے۔

آخر میں تہ دل سے دعا ہے، ربُّ العالمین مجھ سمیت تمام امتِ مسلمہ کو اپنے گھر حاضری کی سعادت بار بار نصیب فرمائے۔آمین، یاربَّ العالمین ! !

تاریخ کے آئینے سے!

عمارہ فہیم

اکثر لوگوں کو تاریخ میں دل چسپی نہیں ہوتی، اس کی دو وجوہات سمجھ آتی ہیں۔

1. اصل تاریخ کو مسخ کر کے ہم تک پہنچایا جاتا ہے، جس کے باعث دل متنفّر سا ہو جاتا ہے۔
2. دوسرے اسباق اور کتابوں میں نئی نسلوں کو ایسا الجھا دیا گیا ہے کہ تاریخ کسے کہتے ہیں، انھیں اس کا علم ہی نہیں رہا۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ ترقی کریں، دوسروں کے سامنے سرخرو ہوں تو اصل تاریخ کا خود بھی مطالعہ کرنا ہوگا اور اپنے بچوں کو بھی تاریخ سے جوڑنے کی ہر ممکن کوشش کرنی ہوگی۔

اگر ہم اپنی تاریخ کا مطالعہ کریں تو ایسے ایسے حکم ران، ان کے واقعات، حکمتِ عملی، معاملہ فہمی ملتی ہیں کہ عقل دنگ رہ جائے۔

تاریخ کے انھی حکم رانوں میں ایک نام سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ایک بڑے بادشاہ گزرے ہیں، ایک مجاہد بادشاہ جنھوں نے اپنی زندگی کا زیادہ تر حصہ گھوڑے کی پیٹھ پر گزارا۔

ہندوستان پر ۱۷ حملے کیے، آخری سومناتھ کی فتح تھی۔ ہندوؤں نے آفر کی کہ جو چاہے لے لیں، مگر سلطان کا جواب اٹل! کہا: "میں بت فروش نہیں بت شکن ہوں۔" بتوں کو جب توڑا تو جتنی آفر ہوئی تھیں، اس سے زیادہ اللہ نے عطا فرما دیا۔

سومنات فتح کر کے واپس جا رہے تھے۔ رہبری کے طور پر جو چند لوگ ساتھ تھے، یہ مقامی لوگ تھے، مگر تھے ہندو، وہ جان بوجھ کر غلط راستے پر لے گئے اور ریگستان میں لے گئے، راستہ کوئی نہیں اور پانی ختم۔ بڑا پریشانی کا عالم اتنے میں بادشاہ کو خبر دی گئی کہ یہ جو ہندو رہبر ہیں، یہ بڑے خوش ہیں، یہاں لوگ پریشان ہیں، سفر ختم ہوتا نظر نہیں آ رہا، پانی ختم ہو گیا ہے تو ان لوگوں کو بلایا تحقیق کی تو کہنے لگے کہ جناب تم نے ہمارے بتوں کو ختم کیا ہے نا تو اس لیے تمھیں بد دعا لگ گئی ہے، پیاسے مر جاؤ گے، ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرو گے، ہمارے بتوں کی بد دعائیں تمھیں لگ گئی ہیں۔

ابھی یہ ہندو ایسی بات کر رہے تھے اور کس کے سامنے؟

دیکھیں تو سامنے کون ہے؟

سلطان محمود غزنوی!

وہ کوئی عام بادشاہ تو تھا نہیں۔

اس نے فوراً کہا: "کیا بات کرتے ہو؟ ہمارا رب بڑی قدرت والا، بڑا مہربان ہے۔"

اسی وقت دو رکعت صلاۃ الحاجات پڑھی اور اللہ سے مانگا۔

سلطان محمود غزنوی نماز پڑھ چکے، دعا مانگ چکے، مصلے پر ہیں، دو مرغابیاں ان کے سر کے اوپر سے گزریں، یہ کھڑے ہوئے اور فوراً گھڑ سواروں کے دو دستے منگوائے، ایک کو کہا: اُدھر جاؤ، جہاں سے یہ آئی ہیں۔ دوسرے کو کہا: ان کے پیچھے جاؤ، مرغابیوں کا ریگستان میں کیا کام؟ یہ یہاں کیسے؟

دونوں دستے معلومات لے کر آئے اور پتا لگا قریب ہی دریا بہتا ہے، جس کا ان ہندوؤں کو بھی علم نہیں تھا، دریائے گھاگھرا جواب بند ہو چکا ہے۔

اور یہ دریائے گھاگھرا پاکستان کے چولستان میں اور ہندوستان کے راجستھان میں نیپال سے ہوتا ہوا آ رہا ہے، کوہِ ہمالیہ کی طرف سے۔

ہزاروں سال پہلے یہ بہت مشہور دریا تھا۔ یہ بہت بڑا دریا تھا، لیکن اب اس کا کوئی وجود نہیں ہے۔ دریائے گھاگھرا اس کا نام ہے۔

فوری طور پر سارے دستے وہاں گئے اور جانوروں نے بھی پیا، انسانوں نے بھی خوب پیا، سب کے سب سیر ہوئے جو ضرورت تھی، اس میں بھی رکھ لیا اور پھر بادشاہ نے تلوار نکالی اور جو سارے رہ بر تھے، جنھوں نے غداری کی تھی، ان کے سر قلم کر دیے۔

ہماری اپنی ہسٹری، ہماری تاریخ کی صحیح معلومات کہیں سے مل جائیں، یہ بہت مشکل بات ہے۔ وجہ کیا ہے، کبھی غور کیا؟ کہ ہمارے ہی لیڈر جن کی تاریخ ہمارے پاس محفوظ ہونی چاہیے تھی، وہ بہت ہی کم لوگوں کے پاس محفوظ اور جو آج کل کی نسل کو دکھائی اور بتائی جاتی ہے، وہ مختلف کیوں؟؟

ایک بہت مشہور بادشاہ تھا ٹیپو سلطان! سوچنے کی بات ہے، ہندوستان میں کتنے ہی مغلیہ خاندان آئے کسی کا نام ٹیپو تھا؟ نہیں تھا، صرف ان کا تھا، کیوں؟؟؟

انگریز اپنے کتے کا نام بھی اکثر ٹیپو رکھتے ہیں، کیوں؟؟؟

ٹیپو سلطان کا نام انگریز نے بھی کیوں مشہور کیا؟؟؟

ٹیپو سلطان کی تصویر جب دیکھیں تو بالکل کلین شیو تصویر نکلتی ہے، کیوں؟؟؟

یہ انگریزوں کی بنائی ہوئی تصویر ہے، ٹیپو سلطان تو تہجد گزار، روزہ رکھنے والے، قیام کرنے والے، ایمان والے، غیرت مند مجاہد تھے، وہ انگریزوں کے لیڈر نہیں تھے، مسلمانوں کے تھے، وہ کلین شیو نہیں تھے، داڑھی والے تھے، جبکہ انگریز کیا کر رہے کہ انھیں اپنے لیڈر کے طور پر دکھا رہے، غلط رہنمائی دی جا رہی۔

کتنے ہی مسلم سائنس دانوں کا لوگوں کو علم ہی نہیں، جو کارنامے انگریز سائنس دانوں کے ناموں کے ساتھ مشہور ہوتے ہیں، وہی کتابوں میں نظر آ رہے، جبکہ ان میں کتنی ہی چیزیں مسلم سائنس دانوں کی ایجاد رہی ہے تو ہمیں صحیح مستند علما تک رہنا ہوگا، تاکہ صحیح اسلامی تاریخ ہم تک پہنچ سکے، ورنہ ہمارا تو پتا نہیں کیا بنے گا۔

بیت السلام لیبارٹری اینڈ ڈائیگناسٹک سینٹر

BAITUSSALAM

اپنی نوعیت کی منفرد اور معیاری لیبارٹری

- او پی ڈی
- ایکسرے
- الٹراساؤنڈ

اور تمام اقسام کے تشخیصی ٹیسٹ دستیاب ہیں

- ہیماٹولوجی
- کیمیکل پیتھالوجی
- مائکروبایولوجی
- مالیکیولر پیتھالوجی / پی سی آر
- امیونولوجی اور سیرولوجی

مناسب قیمتوں میں

مستحقین زکوۃ کیلئے مفت ٹیسٹ کی سہولت

خدمت، عزت اور احترام کے ساتھ

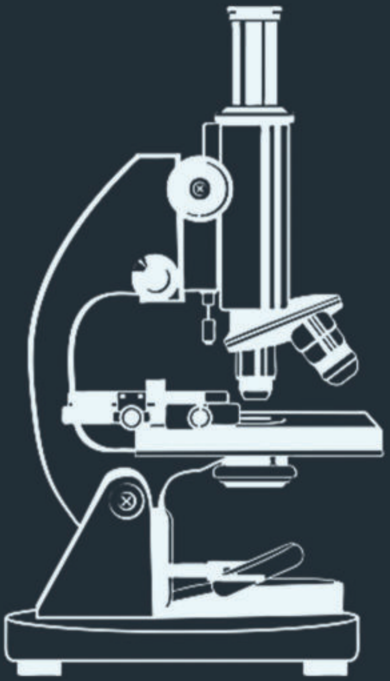

برائے رابطہ

+92 21 35392634

+92 334 2982988

lab@baitussalam.org

شوروم نمبر 01، گراؤنڈ فلور، رائل ٹاورز مین کورنگی روڈ، نزد قیوم آباد چورنگی PSO پمپ سے متصل کراچی۔

عثمان کی تلاش

امِّ مصطفیٰ

"آج پھر وہ ان کے پیچھے دوڑا تھا، لیکن وہ پھر نظروں سے اوجھل ہوگئے۔" نہ جانے کس گلی میں چلے جاتے کہ پھر نظر ہی نہیں آتے تھے۔

عثمان ان نورانی چہرے والے بابا جی سے ملنا چاہتا تھا، بات کرنا چاہتا تھا، وہ اکثر عثمان کے محلے کی گلی سے گزرتے تھے، مگر عثمان کبھی کھڑکی میں کھڑا ہوتا، کبھی بالکونی میں، وہ دوڑ کر زینہ پھلانگتا ہوا نیچے جاتا، مگر جب تک بابا جی نہ جانے کہاں نکل جاتے۔

آج تو حد ہی ہوگئی، عثمان کسی کام سے زینے سے اتر رہا تھا کہ بابا جی پر نگاہ پڑی، وہ انتہائی سُرعت سے نیچے گیا، لیکن وہی ہوا۔۔۔ بابا جی پھر نا ملے، بلکہ غائب ہوگئے، یہ چھُپن چھپائی ڈیڑھ ماہ سے جاری تھی۔

عثمان کے اعصاب پر بابا جی سوار ہوتے جا رہے تھے، وہ ان سے ملنا چاہتا تھا۔ آخر بابا جی کی کشش کیوں اسے کھینچ رہی تھی۔ اس نے کئی بار اپنے اس خیال کو جھٹکنے کی کوشش بھی کی، لیکن وہ اس خیال سے پیچھا نہ چھڑا سکا۔ ایک تو اس کا مزاج بھی مہم جو تھا، پھر اب یہ معمّہ کچھ زیادہ ہی متجسس ہو گیا تھا، بابا جی ہر بار کہیں نا کہیں غائب ہو جاتے تھے۔

عثمان کے اسکول میں آج کل ششماہی امتحانات ہو رہے تھے۔ عثمان چوں کہ ایک ذہین بچہ تھا اور امتحانات کے دنوں میں تو اس کی مکمل توجہ پڑھائی کی طرف ہی ہوتی تھی۔ امی جی بھی اس کی توجہ پڑھائی کی طرف سے نہیں ہٹانا چاہتی تھیں، اسی لیے شام کی کچھ ضروری چیزیں جو عثمان سے ہی وہ اکثر منگواتی تھیں، امتحان کے ایام میں وہ نہیں منگواتی تھیں، لیکن آج اچانک سے مہمانوں کی آمد سے امی جی کو مجبوراً عثمان سے کچھ اشیا منگوانی پڑیں۔

عثمان تابع داری سے پیسے تھام کر بازار کی جانب روانہ ہوا۔ سودا خریدنے کے بعد عثمان خراماں خراماں اپنی گلی میں داخل ہوا کہ کوئی بہت تیزی سے اس کے قریب سے گزرا، گویا ہوا کا جھونکا ہو، عثمان ایک لمحے کے لیے سٹپٹا گیا، اسے عجیب ٹھنڈ کا احساس ہوا، اس نے مڑ کر دیکھا، لیکن وہاں کوئی بھی دکھائی نہ دیا۔ گلی میں اتفاقاً اس وقت کوئی موجود بھی نہ تھا۔ عثمان غائب دماغی سے گھر تک پہنچا، امی کو سامان کا تھیلا پکڑایا اور خود نڈھال سا بستر پر ڈھ گیا۔ امی جی بھی تھوڑی دیر کے لیے اس کی کیفیت کو سمجھ نہ پائیں۔ لیکن اس وقت ان کے پاس زیادہ غور کرنے کا وقت نہیں تھا، اس لیے انھوں نے نظر انداز کیا۔

رات تک عثمان کو تیز بخار نے آ گھیرا۔ عثمان کی حالت دیکھ کر امی جی اور ابو جی بے حد پریشان ہوگئے۔ کل پیپر بھی تھا، لیکن عثمان تو دنیا و مافیہا سے بے گانہ ہوا پڑا تھا۔

ابو جی فوراً اسے پیشتر قریبی ڈاکٹر صاحب کو بلا لائے، انھوں نے چیک اپ کر کے موسمی بخار بتلایا اور دواؤں کا نسخہ لکھ کر دیا۔

اگلے دن عثمان کی حالت کچھ بہتر تھی، لیکن وہ پیپر دینے نہیں جا سکا، جس کا اسے بے حد افسوس تھا۔ امی جی نے اسے دلاسا دیا کہ اسکول میں ڈاکٹر کا سرٹیفکیٹ بھیج دیا ہے، وہ ان شاء اللہ آخر میں یہ پیپر لے لیں گے۔

عثمان کو امی جی نے یخنی بنا کر دی، یخنی پیتے ہوئے عثمان کا ذہن کل شام کے واقعے کے تانے بانے جوڑنے لگا، پھر وہ ایک حتمی نتیجے پر پہنچا کہ اسے یہ تمام صورتِ حال اپنے ابو جی سے شیئر کرنی چاہیے۔

شام میں ابو جی دفتر سے لوٹے تو عثمان کو اپنا منتظر پایا۔

"ہاں بھئی جوان! کیا حال ہیں؟"

"الحمدللہ ابو جی۔۔۔"

"وہ میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا تھا۔" عثمان نے جھجھکتے ہوئے بات شروع کی۔

"ہاں بھئی! کھل کر کہو، کوئی مسئلہ ہے؟" ابو جی نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

پھر عثمان نے کئی دنوں سے بابا جی کا دِکھنا اور اوجھل ہو جانا اور پھر کل بابا جی کی شبیہ میں ایک ہوا کا جھونکا سا قریب سے گزرنا، اس کے بعد عثمان کی طبیعت بگڑنا تمام باتیں من و عن ابو جی کے گوش گزار کر دیں۔ ابو جی عثمان کی باتیں سن کر یک دم متفکّر دکھائی دینے لگے۔

"اچھا! یہ بتاؤ ان بابا جی کا حلیہ کیسا ہے؟" ابو جی نے پوچھا۔

"لمبے چوڑے، بڑی سی داڑھی، ہاتھ میں عصا، کندھے پر رومال، چہرہ بے حد نورانی ایسا لگتا ہے کہیں دیکھا ہوا اور ابو جی ان کو دیکھ کر مجھے تو دادا جان کا گمان ہونے لگتا ہے۔" عثمان نے آخری جملہ جھجھکتے ہوئے کہا۔

دراصل عثمان کے ابو اپنے والد کا ذکر کبھی نہیں کرتے تھے۔ ایک بار امی جی کے منہ سے نکل گیا تھا کہ دادا جان ابو جی سے ناراض ہیں، اسی لیے نہیں ملتے۔

ابو جی عثمان کی باتیں سن کر گم سم ہوگئے اور پھر کچھ کہے بنا اپنے کمرے میں چلے گئے۔

اگلی صبح گھر میں عجیب چہل پہل محسوس ہوئی۔ عثمان ابھی امی جی سے پوچھنے ہی والا تھا کہ ابو جی کی آواز آئی۔

"عثمان! جلدی سے اپنا ضروری سامان بیگ میں رکھ لو، ہم دو دن کے لیے حیدر آباد جا رہے ہیں۔"

"حیدر آباد!"

ہاں! تمھاری دادی جان سے ملنے، تمہارے دادا جان کا دو ماہ پہلے انتقال ہو چکا ہے۔ ہمیں خبر تک نہیں دی گئی، لیکن اب تمھیں ابا جان کا وجود دکھائی دینا، اس بات کی علامت ہے کہ وہ ہم دونوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم وہاں جا کر ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کریں گے اور ان کے لیے ایصالِ ثواب بھی۔۔۔ ان شاء اللہ! ابو جی رنجیدہ لہجے میں بولے۔

عثمان دادا جان کی قبر پر کھڑا ان کے لیے سورۂ یٰسین کی تلاوت کر رہا تھا کہ اچانک اسے محسوس ہوا وہی بابا جی اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر گزر گئے۔

آخر عثمان کی تلاش اپنے انجام کو پہنچی اور دادا جان کی بے چین روح کو اپنے بیٹے اور پوتے سے مل کر قرار آ گیا۔

جنت کا بادشاہ

ڈاکٹر الماس روحی

پیارے بچو! حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین کا خلیفہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم پر تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ شیطان نے تکبر کیا تو اس کو ہمیشہ کی ذلّت ملی۔ حضرت آدم علیہ السلام کا علم ظاہر ہوا تو اللہ پاک نے ان پر اونگھ ڈال دی۔ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی کو چیر کر حضرت حوّا علیہا السلام کو نکالا اور پسلی کو سی دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو اس بات کی خبر بھی نہ ہوئی، جب حضرت آدم علیہ السلام کی آنکھ کھلی تو انھوں نے اپنے جیسا ایک انسان پایا، اُن سے حضرت آدم علیہ السلام کو محبت ہو گئی۔ پروردگار کے حکم پر فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام سے جنابِ سرورِ عالم ﷺ پر دس بار درود شریف پڑھوایا اور پھر حضرت حوّا علیہا السلام کو حضرت آدم علیہ السلام کے نکاح میں دے دیا گیا۔ یہ درود بی بی حوّا کے مہر کے طور پر پڑھایا گیا تھا، پھر دونوں کو جنّت میں رہنے کا حکم دیا گیا۔ اللہ پاک نے فرمایا: ”اے آدم! تم اور تمھاری بیوی جنّت میں رہو اور جو چاہو کھاؤ، بس اس درخت کے قریب مت جانا، ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔“

حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوّا جنّت کے نوری خوب صورت لباس میں خوشی اور اکرام سے جنّت میں رہتے تھے۔ ان کے آس پاس اللہ کی نعمتیں ہی نعمتیں تھیں، شیطان نے جب یہ دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام جنّت کے بادشاہ بن گئے ہیں، وہ حضرت آدم علیہ السلام کی خوش و خرّم زندگی برباد کرنا چاہتا تھا تو اسے حسد ہونے لگا، شیطان عالمِ بالا سے نکالا جا چکا تھا، اسے تین اسمِ اعظم آتے تھے، ان کا وِرد کرتا رہا اور جنّت کے دروازے پر کھڑا تین سو سال تک انتظار کرتا رہا، سانپ اور مور جنّت سے باہر آتے جاتے تھے، اچانک مور جنّت سے باہر آتا نظر آیا تو شیطان بولا: ”اے خوش نما پرندے! تم کون ہو؟“ ”میں مور ہوں، لیکن تم کون ہو؟“ مور نے پوچھا۔ کہا: ”میں فرشتہ ہوں، کسی لمحے اللہ کی یاد سے غافل نہیں رہتا، میں جنّت دیکھنا چاہتا ہوں، سنا ہے جنّت بہت خوب صورت جگہ ہے، اگر تم مجھے جنّت دِکھانے لے چلو تو میں تین باتیں بتاؤں گا، تم کبھی بیمار نہیں پڑو گے نہ تم بوڑھے ہوگے اور نہ کبھی تم پر موت آئے گی۔“ مور یہ سب سن کر خوش ہوا اور بولا: ”میں تمھاری مدد نہیں کر سکتا، لیکن سانپ میرا دوست ہے، اس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔“ شیطان نے سانپ سے اپنی خیر خواہی کا یقین دلایا، بتایا کہ اگر وہ اسے جنت میں لے جائے تو نہ کبھی وہ بیمار ہوگا نہ بوڑھا ہوگا اور نہ کبھی کوئی اسے جنّت سے نکالے گا۔ سانپ خوش ہوا اسے منہ میں چھپا کر شجرۃ الممنوع (گندم کے درخت) کے پاس لے گیا اور وہاں جا کر منہ سے اُگل دیا۔ شیطان نے طرح طرح سے حضرت آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ ڈالا۔ کہنے لگا: ”اے آدم! اس وقت تم پر بڑی مہربانی ہوئی، لیکن یہ زندگی سدا رہنے والی نہیں، تمھیں موت آجائے گی اور سب کچھ ختم ہو جائے گا۔“ تو حضرت آدم علیہ السلام نے پوچھا: موت کیا چیز ہے؟ ”شیطان نے اس موقعے پر مرنے والے جانور کی شکل بنائی۔ اپنے آپ کو حضرت آدم اور بی بی حوّا کے سامنے لِٹا دیا اور موت کے وقت کی غرغر کرنے والی آواز نکالنے لگا، تڑپنے لگا اور ہاتھ پاؤں زمین پر مارنے لگا، اس کی حالت دیکھ وہ دونوں خوف زدہ ہو گئے۔ شیطان نے انھیں بتایا تم دونوں شجرۃ الخلا کا میوہ کھاؤ تو تمھیں موت نہیں آئے گی۔ تم دونوں ہمیشہ زندہ رہو گے اور ہمیشہ کی یہ بادشاہت رہے گی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے شیطان کو بتایا: ”اس درخت کا پھل کھانے سے ہمارے رب نے ہمیں منع کیا ہے۔“ شیطان نے کہا: ”تمھارے رب نے تمھیں اس درخت کا میوہ کھانے سے اس لیے منع کیا کہ اگر تم اس درخت کا میوہ کھاؤ گے تو تم فرشتے بن جاؤ گے، ہمیشہ جنت میں رہنے لگو گے۔ دیکھو میں تمھارا خیر خواہ ہوں۔“ اس نے خدا کی جھوٹی قسم کھا کر حضرت آدم علیہ السلام کو یقین دلایا۔ اس موقع پر اماں حوّا نے بھی میوہ چکھنے کی صلاح دی، میوہ کے چکھنے سے وہ دونوں بے پردہ ہوگئے اور اسی لمحے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حوّا علیہا السلام کو جنّت سے نکلنے کا حکم دے دیا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام آئے، حضرت آدم علیہ السلام کے سر سے تاج اتارا، عربی زبان موقوف کی گئی، سریانی زبان جاری کی گئی، آدم علیہ السلام اور حوّا علیہا السلام جنّت کے درخت انجیر کے پتوں سے بدن کو چھپانے لگے اور بدحواسی کی وجہ سے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے۔ حضرت آدم علیہ السلام گندمی رنگ کے تھے، لمبے لمبے بالوں والے بڑے قد و قامت کے مالک تھے، بھاگتے ہوئے ان کے بال ایک درخت سے اُلجھ گئے اور وہ کہنے لگے: ”اے درخت! تو مجھے چھوڑ دے۔“ درخت فوراً کہنے لگا: میں تجھے نہیں چھوڑوں گا، پھر اللہ تعالیٰ کی ندا آئی: ”اے آدم! مجھ سے بھاگتے ہو۔“ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی: ”اے میرے رب! میں تجھ سے حیا کر رہا ہوں، برہنہ ہو گیا۔“ پروردگار نے فرمایا: ”ہم نے تمھیں جنّت بخشی تھی، ہر پھل تم کھا سکتے تھے، صرف ایک درخت کا پھل کھانے سے منع کیا گیا تھا۔“ حضرت آدم علیہ السلام گڑگڑانے لگے: ”اے میرے رب! میں تیری عزّت کی قسم کھاتا ہوں، میرے گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی تیری جھوٹی قسم کھا کر جھوٹ بولے گا۔“ اللہ تعالیٰ نے انھیں زمین پر اتروا دیا اور ایک مدّت تک زمین پر ٹھہرنے کا حکم دیا۔

ٹائم مشین

عرفان حیدر

مسٹر جونز بہت ذہین سائنس دان تھے۔ وہ نت نئی اور انوکھی ایجادات کرنے کی وجہ سے شہر میں اپنا علیحدہ مقام رکھتے تھے۔ آج کل وہ اپنے گھر کی لیب میں کام کر رہے تھے۔ دراصل وہ ایک ٹائم مشین بنا رہے تھے، جس کی مدد سے وہ آج سے چھ کروڑ سال پہلے کے وقت میں جا کر ڈائنوسارز کے نمونے لے کر آئیں گے۔ ٹائم مشین بنانے کے لیے مسٹر جونز مسلسل محنت کر رہے تھے۔ اب ٹائم مشین کی تکمیل آخری مراحل میں پہنچ چکی تھی۔

ایک رات مسٹر جونز اپنی لیب سے باہر نکلے اور لاؤنج میں کھانے کی میز کے ساتھ رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئے۔ یہ رات کے کھانے کا وقت تھا، اسی لیے مسٹر جونز کھانے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ ہی دیر میں ان کی بیوی میز پر کھانا لگانے لگیں اور مسٹر جونز کا بیٹا مورگن بھی آ گیا۔ مورگن اور اس کی ماں کو تعجب ہو رہا تھا کہ آج مسٹر جونز کھانا کھانے کے لیے اپنی لیب سے باہر کیسے آ گئے؟ کیوں کہ وہ پچھلے کئی دنوں سے لیب میں ہی تھے اور وہیں کھانا کھاتے تھے۔ "بابا! کیا ٹائم مشین بن گئی؟" مورگن نے اپنا تعجب دور کرنے کے لیے مسٹر جونز سے پوچھا۔ "ہاں بیٹا! ٹائم مشین بن چکی ہے اور اب کل میں اس میں سفر کرنے والا ہوں۔" مسٹر جونز نے مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "ہُرے! بابا آپ نے کمال کر دیا۔ بابا! کیا میں بھی آپ کے ساتھ آ جاؤں، مجھے بھی ڈائنوسارز کو دیکھنا ہے۔" مورگن نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔ "ہاں، کیوں نہیں! مگر وہاں بہت خطرہ ہو گا، تمھیں بہت زیادہ احتیاط برتنا ہو گی۔" مسٹر جونز کچھ دیر سوچنے کے بعد بولے۔ "ہُرّے ہُرّے! آپ بہت اچھے ہیں بابا! اب میں ڈائنوسارز کو دیکھوں گا۔" مورگن اپنے باپ کی بات سنتے ہی کرسی سے اٹھ کر جھومنے لگا اور بولا، اِس وقت اس کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔

◆◆◆

یہ تھی اگلی صبح، مسٹر جونز اور مورگن لیب میں موجود تھے۔ "لوسی! ہم وہاں جتنی بھی دیر رکیں پر جب ہم واپس لوٹیں گے تو یہاں وہی وقت چل رہا ہو گا، جس وقت ہم یہاں سے نکلیں گے۔" مسٹر جونز نے اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہا۔ "ٹھیک ہے جونز، کامیاب واپس لوٹو۔" مورگن کی امی نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "الوداع لوسی!" "الوداع مما!" مسٹر جونز اور مورگن نے کہا اور وہ ٹائم مشین کے اندر داخل ہو گئے۔

ٹائم مشین مستطیل شکل کی تھی۔ اس کی بیرونی سطح سفید اور چمک دار تھی۔ اندرونی سطح آسمانی رنگ کی تھی۔ ٹائم مشین میں ایک کمپیوٹر سسٹم اور ایک اسے کنٹرول کرنے کا سیٹ اَپ موجود تھا۔ اس میں دو آرام دہ نشستیں موجود تھیں، وہ دونوں ان پر براجمان ہوئے اور مسٹر جونز نے کنٹرول سنبھالا۔ چند لمحوں بعد مسٹر جونز نے ایک لال رنگ کا بڑا بٹن دبایا اور ٹائم مشین لیب میں سے ایک دم سے غائب ہو گئی۔ "بابا! ہم کتنی دیر ڈائنوسارز کو دیکھیں گے؟" مورگن نے متجسس ہوتے ہوئے پوچھا۔ "مورگن! صرف دو منٹ کے اندر اندر۔" مسٹر جونز نے جواب دیا۔ مسٹر جونز کا مکمل دھیان کمپیوٹر سکرین کی طرف تھا۔ "اُف! یہ کیا ہو گیا، لگتا ہے مشین میں کوئی خرابی آ گئی ہے۔" مسٹر جونز سکرین کی طرف نظریں جمائے پریشان ہوتے ہوئے بولے۔ "بابا! کیا ہوا؟" مورگن نے ان کی بات سنتے ہی پوچھا۔ "مشین میں کوئی خرابی آ گئی ہے اور یہ نہیں پتا چل رہا کہ ہم کس وقت میں موجود ہیں اور کس وقت ٹائم مشین رُکے گی۔" مسٹر جونز پریشانی کے عالم میں بولے تو مورگن کے چہرے پر بھی پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔

ٹائم مشین کو اچانک سے ایک جھٹکا لگا۔ مسٹر جونز نے اسکرین کی طرف دیکھا اور اپنی نشست سے اٹھنے لگے، انھیں دیکھتے ہی مورگن بھی اٹھا اور ان کے پیچھے چلنے لگا۔ مسٹر جونز نے ٹائم مشین کے دروازے کے ساتھ نصب ایک سبز رنگ کے بٹن کو دبایا اور ٹائم مشین کا دروازہ کھولا۔ دروازہ کھلتے ہی ان دونوں کا حیرت کے مارے منہ کھل گیا۔ وہ اپنی آنکھوں سے ایک جہنم کو دیکھ رہے تھے۔ انھیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ زمین پر موجود ہیں یا کسی اور سیّارے پر۔ زمین گرد و غبار کے موٹے موٹے بادلوں کی لپیٹ میں تھی۔ زمین کی سطح پر بے تحاشہ لمبی دراڑیں نمودار ہوئی تھیں، جن میں

سے مسلسل لاوا نکل رہا تھا، ایک کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ڈائنوسارز کی جلی ہوئی لاشیں زمین پر بکھری پڑیں تھیں۔ تپش کی وجہ سے آسمان پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان سے مسلسل بڑے بڑے آگ کے گولے برس رہے تھے۔ وہ اس جہنم کا منظر دیکھ کر چند لمحے ساکن ہوگئے۔ اس کے بعد انھیں سانس لینے میں تنگی محسوس ہونے لگی تو انھوں نے جھٹ سے ٹائم مشین کا دروازہ بند کر دیا۔ مسٹر جونز سر پکڑ کر پریشانی کے عالم میں تیزی سے ٹائم مشین میں چکر لگا رہے تھے۔ مورگن نے انھیں حد سے زیادہ پریشان دیکھا تو اس کا رونے والا منہ بن گیا۔ اس جہنم کی وحشت سے مضبوط سے مضبوط انسان بھی سہم سکتا تھا اور یہ تو پھر بھی رہا ایک بچہ۔ "اچھا تو ٹائم مشین اس وقت میں آ کر رکی ہے، جس وقت ڈائنوسارز کا خاتمہ ہوا تھا، اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہم موت کے منہ میں آ چکے ہیں۔ ٹائم مشین کو ٹھیک کرنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ ہو سکتا ہے کہ ہم یہاں سے زندہ واپس نہ جا سکیں۔" مسٹر جونز نے اپنے قدم جماتے ہوئے حیرانی سے کہا۔ "بابا! آپ ہمت مت ہاریں، ہم آخری سانس تک کوشش کریں گے۔" مورگن نے نم آنکھوں کے ساتھ پُر عزم انداز میں کہا تو مسٹر جونز میں بھی ہمت آ گئی۔ وہ فوراً کمپیوٹر پر ٹائم مشین کی خرابی کو ٹھیک کرنے میں مصروف ہوگئے۔ ان کی نظریں سکرین پر جمی ہوئی تھی اور ہاتھ تیزی سے کی۔ بورڈ پر کام کر رہے تھے۔ انھوں نے مورگن کو ایک چھوٹی سی کھڑکی کا دراوزہ کھول کر دیا، جس کی تین اسپیشل تہ تھیں۔ اس وجہ سے باہر سے کسی چیز کے اندر آنے کا ڈر نہ تھا۔ ٹائم مشین کی بیرونی سطح بہت مضبوط دھاتوں سے بنی ہوئی تھی، جس کی وجہ سے آگ کے بڑے بڑے گولے بھی اس کو نقصان نہیں پہنچا پا رہے تھے۔

مسٹر جونز نے اپنی ذہانت کی بدولت ایک ناممکن کام ممکن کر دکھایا۔ تقریباً پندرہ سے بیس منٹ بعد وہ ٹائم مشین کو ٹھیک کر چکے تھے، مگر ان کے ذہن میں ایک بات گردش کر رہی تھی کہ وہ جس مقصد کے لیے یہاں آئے تھے، اسے پورا کیے بغیر جا رہے ہیں۔ مسٹر جونز کا اس وقت کمپیوٹر کو سنبھالنا انتہائی ضروری تھا، اگر وہ اسے چھوڑ دیتے تو مشین ہمیشہ ہمیشہ کے لیے خراب ہو جاتی، اس لیے مورگن نے ڈائنوسارز کا نمونہ لانے کی حامی بھری۔ اس نے اسپیشل سوٹ پہنا اور ٹائم مشین کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو میٹر کی دوری پر ایک مرغی کے سائز کا مردہ ڈائنوسار پڑا ہوا تھا۔ مورگن بھاگتا ہوا اس کے پاس پہنچا اور اس کو اپنے بازوؤں میں اٹھا کر واپس ٹائم مشین کی طرف دوڑا۔ وہاں کی حالت اب پہلے سے بہت زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ تمام درخت اور پودے جل کر راکھ بن چکے تھے۔ آگ تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ مورگن نے آگ کو دیکھنے کے لیے اپنا منہ پیچھے موڑا، جس وجہ سے ایک چٹانی پتھر اس کے پاؤں سے ٹکرائی اور وہ زوردار آواز کے ساتھ منہ کے بل نیچے آ گرا۔ "بابا!" وہ زوردار آواز میں چلایا۔ مسٹر

جونز نے جیسے ہی اس کی آواز سنی فوراً ٹائم مشین کا دروازہ کھولا۔ آگ مورگن سے چند میٹرز کے فاصلے پر تھی اور وہ زمین پر گرا پڑا تھا۔ مسٹر جونز بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کی طرف بھاگے۔ مسٹر جونز نے عین وقت پر پہنچ کر مورگن کو اٹھا لیا، اگر وہ مزید ایک لمحہ بھی ضایع کرتے تو مورگن آگ کی زد میں آ جاتا۔ اس کے بعد آگ کا اگلا نشانہ تھے مسٹر جونز، کیوں کہ مسٹر جونز مورگن کو اٹھائے ٹائم مشین کی طرف بھاگ رہے تھے، وہ بھی سانس کی تنگی اور سخت گرمی کو برداشت کرتے ہوئے اور آگ مسٹر جونز کی طرف بڑھ رہی تھی۔ مسٹر جونز کا چہرہ بھاگتے بھاگتے ٹماٹر کی طرح لال سرخ ہو چکا تھا اور اوپر سے ٹائم مشین کا دروازہ بند ہونے میں صرف پانچ سیکنڈ رہ چکے تھے۔ ٹائم مشین کے دروازے کا بٹن دبانے پر دروازہ تیس سیکنڈ تک کھلا رہتا تھا اور پھر خود بند ہو جاتا تھا۔ اگر وہ دروزہ بند ہو جاتا تو مسٹر جونز اور مورگن کی سانسیں بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتیں۔ دروازہ بند ہونے میں دو سیکنڈ رہتے تھے کہ مسٹر جونز ایک لمبی چھلانگ لگا کر ٹائم مشین میں داخل ہوئے اور زوردار آواز کے ساتھ گرے۔ فوراً ہی ٹائم مشین کا دروازہ بند ہو گیا اور مسٹر جونز نے مشین کے کنٹرول کو سنبھالتے ہی لال بٹن دبا دیا۔ ٹائم مشین وہاں سے غائب ہو گئی اور مسٹر جونز کی جان میں جان آئی۔ مسٹر جونز بہت خوش تھے کہ وہ اتنی بڑی مصیبت سے اپنی اور مورگن کی جان بچانے میں کام یاب ہو گئے ہیں، پر وہ تھوڑے غمگیں بھی تھے، کیوں کہ وہ ڈائنوسار کا نمونہ حاصل نہ کر سکے، دراصل انھوں نے ابھی مورگن کے بازوؤں میں وہ چھوٹا ڈائنوسار نہیں دیکھا تھا۔ مورگن دو دفعہ گرنے کی وجہ سے بے ہوش ہو چکا تھا۔

پندرہ منٹ بعد ٹائم مشین رُکی اور مسٹر جونز مورگن کی طرف بڑھے۔ جب انھوں نے مورگن کے بازوؤں میں ایک ڈائنوسار دیکھا تو حیرانی سے اسے دیکھتے رہے اور دل ہی دل میں اس کی بہادری کو داد دیتے رہے۔ انھوں نے مورگن کو اپنے بازوؤں میں اٹھایا اور ٹائم مشین کا دروزہ کھول کر باہر نکلے۔ باہر ہر چیز ویسے کی ویسے ہی تھی، جیسی وہ چھوڑ کر گئے تھے، یہاں تک گھڑی کی سیکنڈ والی سوئی بھی! مورگن کی امی بھی لیب میں ہی موجود تھیں جیسا کہ وہ روانگی کو وقت تھیں۔

مسٹر جونز مورگن کو ہوش میں لے کر آئے، جب اس نے خود کو اپنے امی ابو کے ساتھ دیکھا تو اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ مسٹر جونز نے اس کو بہت پیار کیا اور اس کی بہادری کی فراخ دِلی سے تعریف کی، کیوں کہ ڈائنوسار کا نمونہ اسی کی وجہ سے ہی تو مسٹر جونز کے پاس تھا۔ اس کی امی بھی اس کے اس کارنامے سے بہت خوش تھیں۔ اس کا یہ کارنامہ پوری دنیا میں مشہور ہو گیا اور اس نے اپنی بہادری کی بدولت خوب شہرت حاصل کی اور اپنے والدین کا فخر بنا۔

سمیرا انور

آسمانی بجلی کی کہانی

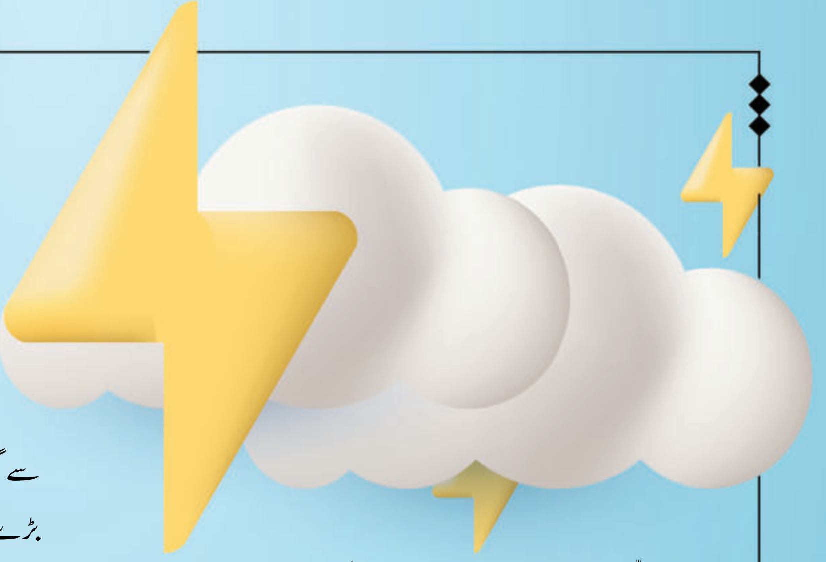

بادلوں کے ننّھے ٹکڑے ایک دوسرے کے ساتھ اٹھکیلیاں کر رہے تھے کہ اچانک ان سے کچھ فاصلے پر موجود بادل کے ایک بڑے ٹکڑے سے زور دار گرج کی آواز آئی، پھر جیسے ہی اس میں یکایک چمک سی پیدا ہوئی تو اِرد گرد موجود بادلوں کے سبھی ٹکڑوں نے بھی اسی طرح شور مچانا شروع کر دیا۔اس کے چند منٹوں بعد ہی بارش برسنے لگی، لیکن گرج چمک بھی اسی زور شور سے جاری تھی۔ ہوا اور بارش کی آپس میں گہری دوستی تھی، وہ برسات کے موسم میں اکثر ایک ساتھ ہی دکھائی دیتی تھیں۔آج بھی جب بارش تھم گئی تو ہوا کا ایک ننّھا سا جھونکا جو بادلوں کی گرج سے خوف زدہ ہو کر چوٹی کے پیچھے چھپ گیا تھا، وہ تیزی سے بارش کے پاس چلا آیا اور کہنے لگا: ”بارش بہن! آج تو آپ بہت تھک گئی ہوں گی۔“

اس کی بات سن کر بارش مسکرائی اور بولی: ”یہ تو میری ذمے داری ہے جو مجھے ہر صورت میں نبھانی ہے۔“

”یہ بادلوں نے اپنے ساتھ گرج چمک کو ضرور لانا ہوتا ہے۔“ ہوا کے ننّھے جھونکے نے کانپتے ہوئے کہا۔

”یہ آسمانی بجلی ہوتی ہے، یہ اس وقت پیدا ہوتی ہے، جب بادل اور تیز ہوا ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ کھاتے ہیں۔“ بارش نے کہا تو ننّھا جھونکا حیرانی سے دیکھنے لگا۔

”آسمانی بجلی میں تو بہت کرنٹ ہوتا ہے جو کہ زمین کی طرف لپکتا ہے۔“ درخت کی ایک شاخ جو ٹوٹ کر زمین پر گر پڑی تھی، وہ جھٹ سے بولی۔

”ارے۔۔۔وہ کیسے؟“ پہاڑی کی چوٹی نے چِلاتے ہوئے کہا۔

”زمین میں بھی مخالف چارجز ہوتے ہیں، حد درجہ وولٹیج اور میگا ایمپیرز کی وجہ سے آسمانی بجلی اپنے راستے میں آنے والی ہوا کو آئیونائز (جذب) کر دیتی ہے، جس وجہ سے اس کا ہوا میں سفر ممکن ہوتا ہے۔“ بارش نے پھر سے کہا۔

”اس آسمانی بجلی کی وجہ سے تو زمین کا درجہ حرارت بڑھ جاتا ہوگا۔“ قریب ہی موجود ایک پتھر کی طرف سے آواز آئی۔

”بالکل ایسا ہی ہوتا ہے اور زمین کا درجہ حرارت مسلسل ہی بڑھتا جا رہا ہے اور اسی وجہ سے گرمی اور قدرتی آفات کی تعداد اور شدّت میں اضافہ ہو رہا ہے۔“ ہوا کے ایک بڑے جھونکے نے کہا جو ادھر ہی چلا آیا تھا۔

”آسمانی بجلی کے گرنے سے اموات بھی ہوتی ہیں۔“ بادلوں کا ایک ٹکڑا بھی تجسّس کے مارے ادھر ہی چلا آیا۔

”آسمانی بجلی جب گرج رہی ہو تو کوشش کرنی چاہیے کہ گھر سے باہر نہ جائیں۔“ بارش نے کہا۔

”اگر راستے میں ایسا واقعہ پیش آجائے کہ آسمانی بجلی چمک رہی ہو تو کسی عمارت میں داخل ہو جائیں، لیکن درخت یا دیوار کے نیچے نہ کھڑے ہوں۔“ بادل نے انھیں سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آسمانی بجلی جب چمکنے لگے تو جلدی سے دونوں پاؤں کی ایڑیاں اٹھا کر ایک دوسرے کے ساتھ ملا لیں، اگر بجلی آپ کے قریب گرتی ہے تو ایسی صورت میں ایک پاؤں سے داخل ہو کر دوسرے سے واپس زمین میں چلی جائے گی اور اوپر جسم میں نہیں جائے گی۔“ پہاڑی نے سمجھتے ہوئے اپنا خیال ظاہر کیا۔

”بالکل فوری طور پر اس مسئلے کا یہی حل ہے۔“ بادل نے تیزی سے کہا۔

”جب آسمانی بجلی گرتی ہے تو ایک کیمیائی ردِّ عمل کے ذریعے یہ نائٹروجن آکسائیڈ گیس خارج کرتی ہے، جس کا شمار گرین ہاؤس گیسوں میں ہوتا ہے، جن سے ماحول کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔“ درخت کی شاخ نے افسردگی سے کہا۔

”کچھ دن پہلے ماہرین کی ایک ٹیم ادھر آئی تھی، ان کے خیال میں مستقبل قریب میں آسمانی بجلی گرنے کے واقعات کی شرح بارہ فی صد سے بڑھ جائے گی۔“ پہاڑی نے کہا۔

”آسمانی بجلی سے تو قوّتِ سماعت بھی متاثر ہوتی ہے۔“ ہوا کے ننّھے جھونکے نے ڈرتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہی ہوتا ہے، دورِ حاضر میں بہت سارے لوگ اس قسم کی مرض کا شکار ہیں۔“ بادلوں نے واپس پلٹتے ہوئے کہا۔اس کے بعد سب کچھ نہ کچھ سوچتے اپنی اپنی جگہ کی طرف لوٹ گئے، کیوں کہ بادل پھر سے زور و شور سے برسنے کی تیاری میں تھے۔

کیا بات ہے طلحہ ! کچھ پریشان لگ رہے ہو؟

عبداللہ نے گہری سوچ میں ڈوبے طلحہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بہت محبت سے معلوم کیا۔

طلحہ نے چونک کر عبداللہ کو دیکھا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا: ”مجھے اسکول چھوڑنا پڑے گا“

وہ کیوں؟ عبداللہ نے ایک دم بے چین ہو کر پوچھا۔

بس ابو کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور دوسرا ان کی جاب بھی ختم ہو گئی ہے۔

◆◆◆

اب فیس کے پیسے جمع نہیں ہو پا رہے لہٰذا میں کوئی کام کروں گا تاکہ ابو کو کچھ آرام مل جائے، طلحہ نے حسرت زدہ لہجے میں جواب دیا۔ عبداللہ یہ سن کر بہت پریشان ہو گیا وہ جانتا تھا کہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا طلحہ کا خواب ہے۔ وہ بہت ذہین اور قابل طالب علم تھا۔ جماعت میں ہمیشہ اول نمبر حاصل کرتا تھا۔ پہلی جماعت سے دونوں کی دوستی تھی اور اب یہ میٹرک کے طالب علم تھے۔ دونوں کی دوستی پورے اسکول میں مشہور تھی دونوں یک جان دو قالب تھے۔

عبداللہ کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا اور ہمیشہ طلحہ کا خیال رکھتا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔

اسے یقین تھا کہ اگر وہ اپنے ابو سے کہے گا تو وہ طلحہ کی مدد کریں گے اور اس کی فیس کا خرچہ برداشت کرنا ان کے لئے کوئی بڑی بات نہ تھی لیکن وہ اپنے دوست کی عزت نفس کا بھی خیال کرنا چاہتا تھا پھر طلحہ بھی یہ گوارہ نہ کرتا۔ اچانک اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی ابھی کل ہی اس نے اخبار میں ٹیوشن کے لیے اشتہار دیکھا تھا۔ اچھی فیس تھی۔ پہلی جماعت کے دو بچے تھے اور اس فیس سے وہ طلحہ کی فیس بھر سکتا تھا۔ ترکیب تو اس نے سوچ لی تھی مگر مسئلہ تھا اس مہینے کی فیس کا۔ کچھ سوچتے ہی وہ اچھل پڑا اور اپنا وہ ڈبا نکالا جس میں بس وہ پیسے جمع کیا کرتا تھا، کبھی گنے نہیں تھے۔ اب بند کمرے میں بسم اللہ پڑھ کے ڈبا کھولا اور پیسے گننا شروع کیے تو خوشی سے اس کا چہرہ کِھلتا گیا۔

وہ بہت پرجوش ہو گیا۔ اس کے ڈبے میں اتنے پیسے تھے کہ اِس ماہ کی فیس بھری جا سکتی تھی، باقی ٹیوشن کے پیسوں سے مدد لے سکتا تھا۔ دوسرے دن اسکول سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کر کے اپنے کھیل کے اوقات میں وہ انٹرویو کے لیے گیا۔

دو بہت پیارے بچے تھے۔ والدہ بھی خوش اخلاق خاتون تھیں۔

انھیں مختصر سوالات کے جوابات دیے۔ وقت مقرر کیا اور گھر آ گیا۔ دوسرے دن اسکول جا کر بریک میں پرنسپل کے آفس گیا اور علیحدگی میں بات کرنے کی درخواست کی۔ کچھ دیر بعد پرنسپل صاحب نے بلایا اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

جی بتائیے، کیا بات ہے! عبداللہ نے پُراعتماد ہو کر اپنی بات شروع کی اور آخر میں فیس کے پیسے نکال کر پرنسپل صاحب کو دے دیے۔

پرنسپل صاحب حیرت سے اس لڑکے کا جذبہ ایثار و قربانی دیکھ رہے تھے۔

وہ بولے: ”بیٹا! تم یہ رقم خود اپنے دوست کو دے سکتے تھے، مجھے کیوں دی؟“ سر! میں نہیں چاہتا کہ میرے دوست کی خودداری کو ٹھیس پہنچے اور وہ شرمندہ ہو۔“ پرنسپل صاحب نے اسے شاباش دی۔

پھر تو عبداللہ کا معمول بن گیا، جوں ہی کھیل کا وقت ہوتا، وہ گھر سے نکل جاتا اور ٹیوشن پڑھا کر واپس آ جاتا۔ اپنے دوستوں سے اس نے معذرت کر لی تھی۔ کچھ دن گزرے سب معمول کے مطابق تھا۔ ایک دن جب وہ گھر واپس آیا تو کچھ دیر بعد اس کے والد گھر آ گئے۔

عبداللہ اور اُس کی امی کو اپنے کمرے میں بلایا اور بہت غصے سے اس کی والدہ سے مخاطب ہوئے، صاحب زادے سے معلوم کریں، ان کے کون سے خرچے پورے نہیں ہو رہے، ایسی کیا مجبوری ہے جو یہ ٹیوشن پڑھانے جاتے ہیں؟ وہ بھی میرے دوست کے گھر! وہ تو شکر ہے کہ میرے دوست کو علم نہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے میری تو ناک کٹ جاتی، وہ غصے میں بولتے چلے گئے!

اس کی والدہ نے عبداللہ کو دیکھا وہ رو رہا تھا۔ وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہی تھیں۔ پہلے اپنے شوہر کو پانی پلایا پھر عبداللہ سے سارا ماجرا پوچھا تو اس کے والد نے بتایا، وہ کسی کام سے اپنے دوست کے گھر گئے وہاں سے عبداللہ نکل رہا تھا اس نے ان کو نہیں دیکھا، دوست سے پوچھنے پر پتا چلا کہ اس کے بچوں کو پڑھانے آتا ہے۔ میں خاموش رہا، دوست کو تو علم نہیں تھا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ میں تو یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ اگر اُسے پتا چل جاتا تو میری کیا عزت رہ جاتی؟

اب امی عبداللہ کی طرف متوجہ ہوئیں، اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ اس نے روتے ہوئے پوری بات بتائی تو امی نے اسے گلے سے لگا لیا، پوری بات سن کر اس کے ابو بھی قریب آئے اور گلے لگا کر اسے پیار کیا اور کہا: ”بیٹا یہ تو آپ مجھ سے بھی کہہ سکتے تھے، کیا میں اس کی فیس جمع نہیں کروا سکتا تھا؟“ عبداللہ نے جواب دیا کہ وہ دوست کی خودداری کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتا تھا۔

ماں باپ کو پھر پیار آ گیا۔ دوسرے دن اس کے ابو اسکول جا کر پرنسپل سے ملے اور پورے سال کی فیس جمع کروا دی۔ واپس آنے لگے تو پرنسپل صاحب نے کہا: ”آپ بہت خوش نصیب ہیں، اللہ نے آپ کو درد دل رکھنے والی اولاد دی ہے، اگر چند لوگوں کی سوچ بھی ایسی ہو جائے تو کوئی بچہ تعلیم سے محروم نہ رہے۔“

اس کے والد نے کہا: بے شک! ہم اپنے حصے کا کام کریں اور لوگوں کو بھی راستہ دکھائیں۔ یہ کہہ کر وہ اس عزم کے ساتھ واپس آئے کہ اپنے دوستوں وغیرہ سے بات کر کے اس سلسلے کو آگے بڑھائیں گے تاکہ کوئی بھی بچہ فیس نہ ہونے کی وجہ سے تعلیم سے محروم نہ رہے۔

کیا خیال ہے دوستو! آپ بھی آگے بڑھیں گے نا؟ ان شاء اللہ!

اپنے لیے تو سب ہی جیتے ہیں اس جہاں میں
ہے زندگی کا مقصد اوروں کے کام آنا

معجزاتی تلوار والے

بنتِ تاجور

پیارے بچو! کیا آپ کو معلوم ہے کہ جنگِ بدر کے دن ان کی تلوار ٹوٹ گئی تھی تو سپہ سالارِ اعظم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے ان کو درخت کی ٹہنی دے کر فرمایا تھا کہ ”تم اس سے جنگ کرو۔“ وہ ٹہنی ان کے ہاتھ میں آتے ہی ایک نہایت نفیس اور بہترین تلوار بن گئی تھی، جس سے وہ عمر بھر تمام لڑائیوں میں جہاد کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت خلیفۂ اول امیر المؤمنین حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں وہ مرتدین سے جہاد کرتے ہوئے شہادت کے درجے پر فائز ہوگئے۔ یہ قبولِ اسلام سے قبل بنی عبدِ شمس کے ساتھی تھے۔ حضرت ابو سنان بن محصن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چھوٹے بھائی تھے۔

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام عکاشہ اور نسب یہ ہے، عکاشہ بن محصن بن حرثان بن قیس بن مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان بن اسد بن خزیمہ الاسدی۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ محصن بن حرثان کے لائق بیٹے اور بنو اسد قبیلے کے چشم و چراغ تھے۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ عنہ نے مکہ میں ہجرت سے پہلے اسلام قبول کیا۔ ایمان لانے کے بعد آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے بھائی حضرت سنان بن محصن کے ساتھ غزوۂ بدر میں شامل تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ ہجرت کی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مدینہ پہنچے۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان ستر ہزار خوش نصیب انسانوں میں سے ایک ہیں، جنہیں حساب کتاب کے بغیر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ جی ہاں! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی وہ جلیل القدر اور خوش نصیب صحابیٔ رسول ﷺ ہیں، جن کی غزوۂ بدر میں کفار سے جہاد کرتے ہوئے جب تلوار ٹوٹ گئی تو پیارے نبی حضرت محمد ﷺ نے کھجور کی ایک چھڑی ان کے ہاتھ میں تھما دی اور پیارے بچو! وہ چھڑی اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حکم سے زبردست تلوار بن گئی اور پھر یہ معجزاتی تلوار زندگی بھر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہی۔

حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہمشیرہ اُمّ قیس بنتِ محصن رضی اللہ عنہا اپنے بھائی کے متعلق فرماتی ہیں کہ ”میرا بھائی بہت خوب صورت تھا۔ علم و عمل، فضل و شرف اور حسب و نسب کے اعتبار سے وہ اعلیٰ مقام پر فائز تھا، نیز سیادت و قیادت میں اسے کمال حاصل تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے دنیائے فانی سے کوچ کیا تو اس وقت اس کی عمر چوالیس برس تھی۔ غزوۂ بدر، غزوۂ احد اور دیگر غزوات میں پورے جوش و ولولے سے حصہ لیا اور متعدّد معرکوں میں جنگی مہارت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق اور دیگر تمام غزوات کے علاوہ فتنۂ ارتداد کی جنگوں میں جواں مردی و بہادری کے خوب جوہر دکھلائے۔

ماہِ ربیع الاول 6 ہجری کو ”سریہ عکاشہ بن محصن الاسدی“ پیش آیا۔ یہ سریہ غَمر مرزوق کی طرف بھیجی گئی جو قبیلہ بنو اسد کے ایک چشمہ کا نام ہے، جہاں قبیلہ بنو اسد کی کافی تعداد رہتی تھی۔ یہ چشمہ مقام فید سے دو راتوں کی مسافت پر واقع ہے۔ پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے چالیس آدمیوں کے ساتھ حضرت عکاشہ بن محصن کو وہاں بھیجا، لیکن جنگ نہ ہوئی، کیوں کہ جب حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھی مدینہ منورہ سے چل کر اس غمر مرزوق چشمہ تک پہنچے تو قبیلہ بنی اسد کو ان کی آمد کی خبر ہو چکی تھی، سو سارا قبیلہ وہاں سے فرار ہوگیا۔ حضرت عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی شخص وہاں پر نہ ملا۔ حضرت شجاع ابنِ وہب کو بنو اسد کا کھوج لگانے کے لیے بھیجا، وہ کھوج لگا کر آئے، اس کے بعد مسلمان اس طرف گئے اور انھوں نے وہاں ایک شخص کو سوتا ہوا پایا، اسے جان بخشی کے وعدہ پر ساتھ لے گئے، اس کے بتانے پر معلوم ہوا کہ ایک بلند جگہ پر قبیلہ بنو اسد کے لوگ موجود ہیں، جب اچانک حملہ کیا تو قبیلے کے لوگ بھاگ گئے اور سارا مال، متاع اور مویشی ہانک لائے، لڑائی کی نوبت نہ آئی۔ (سیرت حلبیہ علی بن برہان الدین حلبی جلد سوم، ص 54)

طلیحہ بن خویلد الاسدی جس نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جھوٹی نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ 12 ہجری میں خلیفۂ اوّل حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیف اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اس جھوٹے مدعی نبوت کی سرکوبی پر مامور فرمایا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ بن محصن اور حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ اس فوج کے آگے آگے، طلیعہ / ہراول (کسی فوج کے اس دستے کو کہتے ہیں جو بقیہ فوج سے آگے چلتا ہے اور ہر منزل سے پہلے روانہ ہوتا ہے۔ ہراول دستے کی بہت سی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، مثلاً دشمنوں کو ڈھونڈنا اور اصل فوج کے لیے آگے بڑھنے کا راستہ صاف کرنا وغیرہ) کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ اتفاقاً راستے میں غنیم (دشمن) کے سواروں سے مڈبھیڑ ہوگئی، جس میں خود طلیحہ بن خویلد اور اس کا بھائی سلمہ بن خویلد شامل تھا۔ طلیحہ بڑھ کر حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ پر حملہ آور ہوا اور اس کے بھائی سلمہ نے حضرت ثابت بن اقرم رضی اللہ عنہ پر حملہ کر دیا۔ وہ شہید ہوئے تو طلیحہ نے پکار کر کہا: ”سلمہ! جلدی میری مدد کو آ، یہ مجھے قتل کیے ڈالتا ہے۔“ سلمہ فارغ ہو چکا تھا، اس لیے یکایک ان پر ٹوٹ پڑا اور دونوں نے مل کر صحابیٔ رسول ﷺ اور شیرِ خدا کو گھیرے میں لے کر شہید کر دیا۔

جھوٹے مدّعیٔ نبوت کا پیچھا کرتے ہوئے اسلامی فوج جب ان دونوں شہیدوں کے قریب پہنچی تو انھیں خون میں لت پت دیکھ کر سب کو نہایت شدید دکھ ہوا۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ کے جسم مبارک پر نہایت خوف ناک گہرے زخم تھے اور تمام بدن چھلنی ہوگیا تھا۔ امیرِ لشکر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ گھوڑے سے اتر پڑے اور تمام فوج کو روک کر اسی خون آلود لباس کے ساتھ انھیں زیرِ زمین دفن کر دیا۔

شاہی محل

تماضر ساجد

"یہ ہے ہمارا بادشاہ۔" ننّھی ساریہ نے کھلونا بلاک کے ایک ٹکڑے کو الگ کر کے رکھتے ہوئے کہا۔

"اور یہ رہا بادشاہ کا چھوٹا سا، پیارا سا محل۔" اب اس نے چھوٹے چھوٹے بلاکس کو جوڑ کر بنایا گیا ایک بڑا ٹکڑا فرضی بادشاہ کے پاس رکھ دیا۔

"اور یہ رہے بادشاہ کے سپاہی۔" آمنہ نے کچھ مزید بلاکس ساریہ کے سامنے سے اٹھائے اور بادشاہ کے ساتھ رکھ دیے۔ امینہ اور ساریہ کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔ تینوں کو یہ کھیل دل چسپ معلوم ہو رہا تھا۔

"اور۔۔۔ اور۔۔۔ یہ بادشاہ کون ہے؟" ننّھی امینہ نے اپنے مخصوص انداز میں سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔ دادو مختلف بادشاہوں کی کہانیاں سناتی رہتی تھیں، اس لیے تینوں کو ہی بادشاہوں والے کھیل کھیلنا پسند تھا۔

"اممم، ہمارا بادشاہ ہے۔۔۔" ساریہ نے چاروں طرف نظریں گھمائیں تو اس کی نظر کمرے کے دوسرے کونے پر کتابوں پر نظر جمائے بیٹھے سعدی پر پڑی۔

"آں، ہاں۔۔۔ ہمارے بادشاہ کا نام ہے سعدی بھیّا!" ساریہ کی بات پر آمنہ اور امینہ دونوں نے قہقہہ لگایا۔

سعدی نے ناگواری سے سر اٹھا کر دیکھا۔

"ہنہہ۔۔۔ میں بادشاہ! بادشاہ ایسے ہوتے ہیں بھلا جو نئے کھلونے بھی نہ لے سکیں۔"

کچھ دن پہلے ہی ابو ساریہ کے لیے بلاکس کا پیکٹ لائے تھے۔ ابو کا خیال تھا کہ ساریہ انھیں جوڑ کر نئی چیزیں بنانا سیکھے گی۔ بلاکس دیکھ کر سعدی نے فوراً پوچھا: "میرے لیے کیا لائے ہیں ابو؟"

"بیٹا! آپ کے لیے پچھلے ہفتے نیا بلا لائے تھے۔" بات تو ٹھیک تھی، لیکن سعدی کی سمجھ میں نہ آسکی۔ وہ گھر کا لاڈلا بچہ تھا، باہر سے کوئی بھی چیز آتی اپنا حصہ ضرور وصول کرتا۔ اب اس نے یہ سنا تو ضد پکڑ لی کہ اسے بھی کوئی نیا کھلونا لے کر دیا جائے یا پھر ساریہ کے بلاکس واپس کروائے جائیں۔ سعدی کی ضد ختم نہ ہوئی تو ابو کو غصہ آ گیا۔ انھوں نے اسے سختی سے ڈانٹ دیا۔

ابو پر بس نہ چلا تو سعدی نے خود بلاکس ٹھکانے لگانے کا فیصلہ کیا۔ سب سے پہلے اس نے بلاکس توڑنے کی کوشش کی، لیکن پلاسٹک کے یہ کھلونے کسی بھاری چیز سے نہ ٹوٹے۔ پھر اسے بلاکس کوڑے دان میں پھینکتے امی نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا، اس طرح امی سے بھی ڈانٹ پڑ گئی۔

ابھی بھی اس کا دھیان کام سے زیادہ بلاکس کی طرف تھا۔

ساریہ نے آمنہ سے بادشاہ کی کوئی چیز مانگی تو سعدی اپنے خیالوں سے باہر آیا۔

"کیا تماشا بنایا ہوا ہے تم لوگوں نے، کام بھی نہیں کرنے دیتے!" اس نے بلاکس کو ایک زور دار ٹھوکر ماری۔ ٹھوکر سے بادشاہ اپنے محل اور سپاہیوں سمیت دور جا گرا۔ آمنہ اور امینہ تو اس کو غصے میں آتا دیکھ کر فوراً نکل کر اپنے پورشن کی طرف دوڑیں، لیکن ساریہ نے وہیں رونا شروع کر دیا۔ مجبوراً سعدی اپنی کاپیاں سمیٹ کر باہر صحن میں آ بیٹھا۔ امی کے آنے سے پہلے وہ اپنا کام مکمل کر چکا تھا۔ امی باورچی خانے میں مصروف تھیں۔ سعدی نے ایک چھوٹی سی کہانیوں والی کتاب اٹھالی، اس کتاب کے پہلے صفحے پر ایک حدیث درج تھی۔

"لَا تَحَاسَدُوْا" حسد مت کرو۔

سعدی کتاب اٹھا کر امی کے پاس آیا۔

"امی حسد کسے کہتے ہیں؟" امی نے چولھا آہستہ کر کے کتاب پر نظر ڈالی۔

"حسد یہ ہے کہ اگر آپ کو کسی کی کوئی چیز اچھی لگے تو آپ یہ چاہیں کہ وہ چیز آپ کو ملے نہ ملے، لیکن دوسرے کے پاس نہ رہے۔ اس سے ہمارے پیارے نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے۔"

سعدی کا دھیان فوراً ساریہ کے بلاکس کی طرف چلا گیا۔

"امی حسد سے کیسے بچا جا سکتا ہے؟"

امی اس کی طرف متوجہ ہوئیں "جس سے حسد ہو، اسے دعا دینی چاہیے یا اس کی چیز کی تعریف کر دینی چاہیے۔" وہ خاموشی سے باہر آ کر بیٹھ گیا۔

"اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دیں، میں اب حسد نہیں کروں گا۔" سعدی کمرے میں آیا تو ساریہ تکیے پر سر رکھے لیٹی تھی۔

سعدی بلاکس اٹھا کر جوڑنے لگا۔

انھیں جوڑ کر اس نے ساریہ کی طرف دیکھا، وہ بستر سے سر اٹھائے اسی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"یہ لو ساریہ۔۔۔ تمہارے بادشاہ کا محل۔" بادشاہ کا چھوٹا، مگر خوب صورت سا محل ساریہ کے پاس رکھتا وہ صحن میں ابو کے پاس آ بیٹھا۔

"کیا حال ہے میرے شہزادے کا؟" ابو نے لاڈ سے پوچھا۔

"ابو جی! آپ مجھے شہزادہ کہتے ہیں، ساریہ بادشاہ کہتی ہے۔" اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا تو ابو ہنس پڑے۔

اتنے میں ساریہ اندر سے بلاکس کا محل تھامے باہر آئی۔

"ابو جی! یہ دیکھیں بھیّا نے مجھے کیا بنا کر دیا؟" ابو نے آگے بڑھ کر دونوں کو گلے لگا لیا۔

سعدی نے ابو کے بازو سے سر نکال کر ساریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کانوں کو ہاتھ لگائے تو وہ دونوں ہنس پڑے۔ ان کے ہنسنے سے بادشاہ کا محل بھی جگمگانے لگا تھا۔

بچوں کے فن پارے

اویس خلیل 7سال لاہور

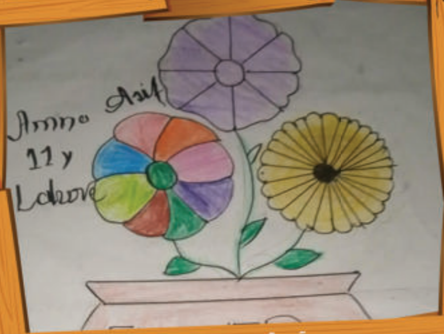

آمنہ آصف 11 سال لاہور

لبیب حماد سوئم آرمی پبلک اسکول خضدار

عزرا بتول ہشتم 13 سال ٹنڈو جان محمد

افنان اسلم لاہور

نبیلہ فردوس 14 سال اورنگ اباد بھارت

ماریہ سیف اللہ 11 سال بحریہ کالج اینکریج اسلام آباد

ہر ماہ ایک فن پارے پر300 روپےانعام دیا جاتا ہے گزشتہ ماہ کراچی سے **حسن بلال** کا فن پارہ انعامی قرار پایا ہے، انہیں 300 روپے مبارک ہوں (ادارہ)

پیارے بچو!!!

یہ فروری کا مہینہ ہے۔ آپ جانتے ہیں نا 5 فروری کو... یوم یکجہتی کشمیر منایا جاتا ہے۔ کشمیر تقریباً چار ہزار سال کی قدیم تاریخ رکھنے والا پانچ ہزار ایک سو چونتیس مربع میل پر مشتمل برصغیر پاک و ہند کا شمال مغربی علاقہ ہے۔ ریاست آزاد جموں و کشمیر اس کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے۔

ہمیں پاکستان اور کشمیر کا رشتہ قائداعظم محمد علی جناح کے اس بیان سے سمجھنا چاہیے جس میں انہوں نے فرمایا:

کشمیر پاکستان کی شہ رگ ہے۔

ایک طرف تو کشمیری عوام کے ساتھ ہمارا رشتہ لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر قائم ہے اور دوسری جانب جغرافیائی اعتبار سے دیکھیں تو پاکستان کے سارے دریا کشمیر کے پہاڑوں سے نکلتے ہیں۔ کسی بھی ملک کی خوشحالی میں یہ ہی دریا اور ان کا پانی کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ کشمیر پر غاصبانہ قبضے کی صورت میں بھارت کے پاس ہمارا پانی بند کرنے کا کھلا آپشن موجود رہتا ہے۔ بھارت کی جانب سے پاکستان کو آبی دہشت گردی کا نشانہ بنانے کی دھمکی اور اس دھمکی پر عملدرآمد ہمیشہ ہی دیکھنے میں آتا ہے۔

اسی لیے تو کشمیر کی آزادی کے ساتھ پاکستان کی سالمیت بھی جڑی ہے۔

آئیے! عہد کریں کہ ہم کشمیری مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کو کامیاب بنانے کی ہر ممکن کوشش کریں گے۔ ان شاءاللہ!

ماہنامہ فہم دین
فروری 2024ء کے سوالات

سوال 1: سہیل کو اسکول کیوں چھوڑنا پڑا؟

سوال 2: اسد نے کیا کہہ کر پیپسی پینے سے انکار کیا؟

سوال 3: ٹیگو کون تھا؟

سوال 4: وقت کیا ہے؟

سوال 5: اللہ تعالیٰ نے فلسطین کو کیسی جگہ کہا ہے؟

جنوری 2024ء کے سوالات کا درست جواب دینے پر اسلام آباد سے محمد سبحان کو شاباش انہیں 300 روپے مبارک ہوں

جنوری 2024ء کے سوالات کے جوابات

جواب 1: منکی نے بن مانس سے کہی

جواب 2: منبر صلاح الدین ایوبی کا ماڈل

جواب 3: ابا کو مزدوری نہ ملنے کی وجہ سے

جواب 4: مسٹر ہاک کے مرنے کی بری خبر

جواب 5: سن 14 ہجری میں

سنیے!!!!

یہ سوالات جنوری 2024 کے شمارے سے لیے گئے۔ جوابات کی آخری تاریخ 12 فروری 2024ء ہے

میرے دل میں عشق نبی بسا

احمد ظہور

رفعت کا ان کی دل مرے، اندازہ خود لگا
تلووں کو جن کے چوم کے، جبریل جھوم اٹھا

ہے شان و رعب و دبدبہ اک اک کمال
پاتے اشارہ بدر ہے، ٹکڑوں میں جا بٹا

وہ شمس جس کے نور سے روشن ہے کہکشاں
نورِ رخ نبی سے ہے، مغلوب ہو گیا

رستہ چلیں تو ان کو شجر بھی کریں سلام
اور جب رُکیں تو دید کا مشتاق ہو جہاں

تاروں سے سج کے آسماں نازاں تھا بزم میں
ہوتے ظہورِ آقا سحرِ آسماں جھکا

ٹوٹا غرور جنت، ہوئیں حوریں سر نگوں
دیکھی انہوں نے جیسے تیرے ہنسنے کی ادا

ظلمت تھی، تیرگی تھی، نہ نشان سحر
بعثت سے آقا تیری یہ عالم چمک اٹھا

سدرہ پہ جا کے حضرت جبریل رُک گئے
اس منتہی سے آقا ہے تیری ابتدا

جنت کو تیرے روضے کا کرتے طواف دیکھا
لب پر درود اس کے آنکھوں میں تھی ندا

مولا! مرے لبوں پر جو نعت نبی ہے آج
ایسے ہی میرے دل میں تو عشق نبی بسا

احمد! تُو سرمہ خاکِ مدینہ کو تو بنا
پھر دیکھ ہو گی کیسے دیدِ نبی عطا

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

ارسلان اللہ خان

نبی ﷺ ہیں قمر اور ستارے صحابہؓ
بہت محترم ہیں ہمارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

خُدا کے ہیں محبوب، احمد ﷺ کے ساتھی
محمد ﷺ کی آنکھوں کے تارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

وہ ہیں تربیت یافتہ مصطفیٰ ﷺ کے
جبھی تو ہمیں ہیں دُلارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

وفا، علم، حکمت، محبت شعاری
ہیں اسلام کے ماہ پارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

چلو جس کے پیچھے ہدایت ملے گی
ہدایت کے ہیں سب منارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

خدا جن سے راضی نبی جن سے راضی
وہ ہیں مومنو! پیارے پیارے صحابہ

ہمارے صحابہ، ہمارے صحابہ

کرو سب کی تعظیم اے مومنو! تُم
کہ ہیں پاک طینت یہ سارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

عتیق و عُمر اور عُثمان و حیدر
محمد ﷺ کے ہیں یہ نیارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

ہوں سفیان یا حضرتِ معاویہ ہوں
سبھی رحمتوں کے ہیں دھارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

کرو ارسلاں آ! ذکرِ اصحابِ احمد ﷺ
صداقت کے ہیں استعارے صحابہؓ

ہمارے صحابہؓ ہمارے صحابہؓ

گلدستہ

ترتیب و پیشکش: شیخ ابوبکر، عبدالرحمن چترالی

حمدِ باری تعالیٰ

نشان اسی کے ہیں سب اور بے نشاں وہ ہے
چراغ اور اندھیرے کے درمیاں وہ ہے

نمودِ لالہ و گل میں وہی ہے چہرہ نما
شجر شجر پہ لکھا حرفِ داستان وہ ہے

جبینِ شمس و قمر اس کے نور سے تاباں
سنہری دھوپ ہے وہ حسنِ کہکشاں وہ ہے

اس کی ذات کے ممنون خدوخالِ حیات
کہ اور کون ہے صورت گر جہاں وہ ہے

زبانِ اشک سے مانگو دعائیں بخشش کی
بڑا رحیم، نہایت ہی مہرباں، وہ ہے

اسی کی مدح میں لوح دے رہے ہیں لفظ صبیح
سخن کا نور وہ، لذّتِ بیاں وہ ہے

شاعر: صبیح رحمانی

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

وہ مزکّی، وہ مصدق، وہ مبصر، وہ بصیر
وہ محمدؐ کہ دو عالم میں نہیں جس کی نظیر

ایسا انسان زمانے میں مگر کون ہوا
خالق و خُلق کا محبوبِ نظر کون ہوا

مبتدا جس کا خدا، ایسی خبر کون ہوا
جز محمدؐ کے محمدؐ سا بشر کون ہوا

ایسا انسان ذرا ڈھونڈ کے لاؤ تو سہی
بشری شکل میں قرآن دکھاؤ تو سہی

وہ یتیموں کا سہارا، وہ غریبوں کی سپر
عرش پر جس کے قدم، بوریا جس کا بستر

دعویٰ عشقِ محمدؐ ہے تو اے اہلِ نظر!
سیرتِ پاک محمدؐ کو بنا و رہبر

سینۂ عشق میں پیدا کرو حمزہؓ کا جگر
راہ تسلیم میں شبیرؓ کی صورت ہو سفر

بے خطر چھاؤں میں تلواروں کی جینا سیکھو
آل و اصحابؓ پیمبرؐ کا قرینا سیکھو

امید فاضلی

نئے دور کے فتنے

اسی کے ساتھ ایک دوسری حقیقت یہ ہے کہ اب نیا دور نئے فتنے لا رہا ہے، جاہلیت نئے روپ میں ظاہر ہو رہی ہے، پہلے اگر بدعات کا معاملہ تھا تو اب کھلی کھلی وثنیت اور اصنامِ قدیمہ کا دور دورہ ہے۔ یہ حالات ہمارے احساسِ مذہبی ہماری حمیتِ دینی اور ہمارے عقیدۂ توحید کو چیلنج کرتے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ جنہوں نے بدعات و رسوم کو کبھی گوارا نہیں کیا، وہ ان مشرکانہ رسوم و مظاہر کو کس طرح گوارا کرتے ہیں اور ان کا رویہ، اس بارے میں کیا ہوتا ہے، ہم اپنے اسلاف کے دینی تصلّب اور دینی شجاعت کے معترف ہیں اور خدا اور خلق کے سامنے اس کی گواہی دینے کے لیے تیار ہیں کہ انھوں نے باطل کے سامنے گردن نہیں جھکائی اور ہتھیار نہیں ڈالے، دیکھنے کی بات ہے کہ ہمارے بعد کی نسلیں ہمارے متعلّق کیا رائے قائم کرتی ہیں اور ہم تاریخ میں کیسے نقوش چھوڑ کر جاتے ہیں۔

خطبات علی میاں مولوی محمد رمضان، ج:1 ص:73

شکر کے بہت سے مواقع

صبح سے شام تک سینکڑوں کام ایسے ہوتے ہیں، جو آدمی کی مرضی کے موافق ہوتے ہیں۔ صبح آنکھ کھلی صحت بالکل ٹھیک ہے تو کہہ دیا، الحمد للہ! گھر والوں کو دیکھا کہ وہ بھی سب تن درست ہیں تو چپکے سے کہہ دیا، الحمد للہ! نماز کو گئے جماعت مل گئی، الحمد للہ! صبح وقت پر ناشتہ مل گیا، الحمد للہ! کام پر جانے لگے خطرہ ہے کہ دیر نہ ہو جائے، مگر صبح وقت پر کام پر پہنچ گئے، الحمد للہ! بس میں جانے کو خطرہ ہے، بس ملے یا نہ ملے، مل گئی، الحمد للہ! بس میں چڑھ گئے تو معلوم نہیں سیٹ ملے نہ ملے، سیٹ مل گئی، الحمد للہ! واپس آنے پر اہلِ خانہ کو ہشاش بشاش دیکھا کہا الحمد للہ! گرمی میں ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا تو کہہ دیا، الحمد للہ! غرض جو کام بھی چھوٹا ہو یا بڑا طبیعت کے موافق ہو جائے یا کوئی دعا قبول ہو جائے، جس بات سے بھی دل کو لذّت و مسرّت حاصل ہو، جس کارِ خیر کی بھی توفیق ہو جائے، اس پر اللہ کا شکر دل اور زبان سے ادا کرنے کی عادت ڈال لیں، اس کام میں نہ وقت لگتا ہے نہ مال خرچ ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی محنت لگتی ہے۔

سکون قلب، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، ص:191

مذاق اور مزاح میں فرق

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اڑانا اور ایک ہے مزاح کرنا، دونوں کے درمیان فرق ہے۔ مذاق اڑانے سے دوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دوسرے کی عزّت کو ہلکا کرنا اور جس شخص کا مذاق اڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے، وہ بے چارہ سبکی محسوس کرتا ہے اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہو جائے اور دوسرا آدمی مانوس ہو جائے۔ دل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں۔ یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا، اس میں ایک تو مذاق اڑانے کا گناہ ہوا، دوسرا جھوٹ بولنے کا۔۔۔!!

اصلاحی مواعظ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی، ج1، ص:258

نوشیرواں اور نمک

نوشیرواں عادل کے ملازم ایک روز شکار گاہ میں اپنے آقا کے لیے کباب بھوننے لگے تو نمک موجود نہ تھا، اب اس سے اندازہ کیجیے کہ جس بادشاہ کے نوکر نمک تک ساتھ نہ لے کر چلیں، اس کی بادشاہی کیسے چلتی ہو گی۔ خیر! کسی نوکر کو گاؤں بھیجا گیا کہ نمک لائے، نوشیرواں نے دیکھا تو فوراً جاتے ہوئے نوکر کو آواز دے کر فرمایا: ”خبردار! نمک قیمت دے کر لانا، ورنہ بدرسمی سے گاؤں برباد ہو جائے گا۔“ حاضرین میں سے کسی نے عرض کی: ”جہاں پناہ! ذرا سے نمک سے کیا بدرسمی ہو سکتی ہے؟“ نوشیرواں بہادر نے فرمایا: ”یاد رکھو! دنیا میں ظلم کی بنیاد پہلے تھوڑی تھی، لیکن جو شخص آتا گیا اس پر بڑھاتا گیا، اپنی بات کی تائید میں نوشیرواں نے شیخ سعدی کا ایک فارسی قطعہ بھی پڑھا، چوں کہ آج کل فارسی ہمارے اسکولوں میں نہیں پڑھائی جاتی، لہٰذا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے: ”اگر رعیّت کے باغ سے بادشاہ ایک سیب مفت لیتا ہے تو اس کے غلام درخت کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے ہیں۔ اگر بادشاہ پانچ انڈے بھی مفت کسی کے کھالے تو لشکر والے ہزاروں مرغ مفت میں لے کر بھون کھائیں، اگر بادشاہ ایک لائسنس بھی اپنے کسی عزیز کو دیتا ہے تو مصاحبین سارا ملک اس کے نام پر بیچ کھاتے ہیں۔“ نتیجہ: شکار کو جاتے ہوئے دیکھ لینا چاہیے کہ نمک مرچ وغیرہ ہیں کہ نہیں۔

اردو کی آخری کتاب ابن انشاء، ص:109

جسم ادھار مال ہے

یہ جسم ہمیں مستعار ملا ہے، ادھار کا مال ہے، یہ ہماری ملکیت نہیں ہے۔ یہ اس پیدا کرنے والے کی مِلک ہے، مالک وہ ہے۔ ہمیں کچھ دیر استعمال کے لیے پروردگار نے عطا فرمادیا اور جو ادھار کے مال پر فریفتہ ہوتا پھرے، اس کو پاگل اور دیوانہ کہتے ہیں کہ ادھار کے مال پر فریفتہ ہوا پھر رہا ہے۔ ہم اس جسم کو نیکی کے کاموں میں جتنا استعال کر سکتے ہیں، اتنا کر لیں۔ دستور یہی ہے، اگر گھر میں استری خراب ہو جائے اور ہم بھائی کے گھر سے منگائیں کہ جی ہمیں دفتر جانا ہے تو بیوی ایک جوڑا استری نہیں کرتی، وہ اپنے بھی کر لیتی ہے، بچوں کے بھی کر لیتی ہے، دو چار دن کے کر لیتی ہے کہ اپنی استری آنے میں ٹائم لگ جائے گا تو ادھار لیا ہے، بار بار مانگی بھی نہیں جاتی، اب تھوڑی دیر میں جتنا کام نکال سکتے ہو نکال لو، جس طرح ادھار کی چیز پر تھوڑی دیر میں زیادہ سے زیادہ کام لوگ نکالتے ہیں، ہمیں بھی چاہیے کہ یہ جسم ادھار کا مال ہے، تھوڑے وقت میں اس سے زیادہ سے زیادہ اللہ کی عبادت کر لو۔

اردو کی آخری کتاب ابن انشاء، ص:109

دنیا مثل سائے کے ہے

کسی شخص نے دنیا کی بڑی اچھی مثال دی ہے، فرمایا کہ ”دنیا کی مثل ایسی ہے، جیسے انسان کا سایہ، اگر کوئی شخص چاہے کہ میں اپنے سائے کا تعاقب کروں اور اس کو پکڑ لوں تو نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے سائے کے پیچھے جتنا دوڑے گا، وہ سایہ اور آگے دوڑتا چلا جائے گا، کبھی اس کو پکڑ نہیں سکے گا، لیکن اگر انسان اپنے سائے سے منہ موڑ کر اس کی مخالف سمت میں دوڑنا شروع کر دے تو پھر سایہ اس کے پیچھے پیچھے آئے گا۔“ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بھی ایسا ہی بنایا ہے کہ اگر دنیا کے طالب بن کر اور اس کی محبت دل میں لے کر اس کے پیچھے بھاگو گے تو وہ دنیا تم سے آگے آگے بھاگے گی۔ تم کبھی اس کو پکڑ نہیں سکو گے، لیکن جس دن ایک مرتبہ تم نے اس کی طلب سے منہ موڑ لیا تو پھر دیکھو گے کہ اللہ تعالیٰ اس کو کس طرح ذلیل کر کے لاتے ہیں۔ بے شمار مثالیں ایسی ہوئی ہیں کہ دنیا اس کے پاس آتی ہے اور وہ اس کو ٹھوکر مار دیتا ہے، لیکن وہ دنیا پھر بھی پاؤں میں پڑتی ہے، اس کے لیے ایک مرتبہ سچے دل سے اس دنیا کی طلب سے منہ موڑنا ضروری ہے اور یہ بات دنیا کی حقیقت سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے اور دنیا کی حقیقت حضور اقدس ﷺ نے ان احادیث میں بیان فرمادی۔ ان احادیث کو پڑھ کر دنیا کی محبت دل سے نکالنے کی فکر کرنی چاہیے۔

اصلاحی خطبات، مفتی محمد تقی عثمانی، ج:3، ص:111

اہل خیر کے لیے مستحقین کی خدمت کا بیش بہا موقع

رپورٹ: خالد معین

رمضان المبارک: کروڑوں روپے کی رفاہی خدمات سے لاکھوں افراد مستفید ہوتے ہیں

سال ہائے گزشتہ کی طرح اس سال بھی لاکھوں افراد کے لیے سحری، افطاری، راشن، گوشت، عید کے لیے کپڑے، جوتے اور انتہائی مستحقین کے لیے نقد تعاون کے لیے بیت السلام ویلفیئر ٹرسٹ پُر عزم ہے۔

بڑے شہروں کی مضافاتی بستیوں اور شہروں سے دور دراز پس ماندہ بستیوں میں بیت السلام کے زیر اہتمام بنیادی تعلیم کے سینکڑوں مراکز کام کر رہے ہیں ان کے توسط سے سروے ہوتا رہتا ہے۔ ضرورت مندوں اور مستحقین کی فہرستیں تازہ ہوتی رہتی ہیں اور ان فہرستوں کے مطابق بیت السلام کے رضاکار رمضان میں خدمت کے لیے کمربستہ رہتے ہیں اہل خیر کے لیے بہت بہترین موقع ہے کہ ان کے اموال امانت و دیانت کے ساتھ بہترین مصارف پر خرچ ہوں۔ الحمد للہ اوسط مالی استعداد رکھنے والے گھرانے بھی اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں تاکہ ان کے بھائی رمضان میں معاش کے لیے فکر مند نہ ہوں

www.junaidjamshed.com J.Fragrances.Cosmetics J. Fragrances & Cosmetics J_Frag_Cos J.JunaidJamshed

بیت السلام موبائل ایپ

Available on the App Store

GET IT ON Google Play

- قبلہ ڈائریکشن
- ان فلائٹ نماز ٹائمنگ
- آن لائن ڈونیشن
- زکوۃ کیلکولیٹر
- لائیو اور ریکارڈ بیانات
- روزمرہ کی دعائیں
- قرآن کریم
- نماز ٹائمنگ